نائٹروجنی کھادوں

میں

ببّر شیر یوریا

کا

مقام

ببّر شیر یوریا کی خصوصیات

★ ہر قسم کی فصلات کے لیئے کارآمد۔ گندم، چاول، مکی، کماد، تمباکو، کپاس اور ہر قسم کی سبزیات، چارہ اور پھلوں کے لئے یکساں مفید ہے۔

★ اس میں نائٹروجن ۴۶ فیصد ہے جو باقی تمام نائٹروجنی کھادوں سے فزوں تر ہے۔ یہ خوبی اس کی قیمت خرید اور بار برداری کے اخراجات کو کم سے کم کر دیتی ہے۔

★ دانہ دار (پرلڈ) شکل میں دستیاب ہے جو کھیت میں چھٹہ دینے کے لیئے نہایت موزوں ہے۔

★ فاسفورس اور پوٹاش کھادوں کے ساتھ ملا کر چھٹہ دینے کے لیئے نہایت موزوں ہے

★ ملک کی ہر منڈی اور بیشتر مواضعات میں داؤد ڈیلروں سے دستیاب ہے۔

داؤد کارپوریشن لمیٹڈ

(شعبۂ زراعت)

الفلاح - لاہور

فون نمبر 57876 سے 57879

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد — ۲۸
شمارہ — ۷
ذیقعدہ — ۱۴۱۳ھ
اپریل — ۱۹۹۳ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بانی: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ
مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
مدیر معاون، عبدالقیوم حقانی
ناظم۔ شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۳۴۰ / ۴۳۵
کوڈ نمبر۔ ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۸۰/- روپے فی پرچہ ۸/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۶/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

قیامِ نظام کیلئے شعوری اور فکری انقلاب کی ضرورت

ملک میں سیاسی محاذ آرائی ومعرکہ آرائی، عدالتی کارروائی، متحارب فریقین کے باہمی حرب وضرب اور جوڑ توڑ اور نتیجہ میں ... ڈھاک کے تین پات"، بلکہ بدسے بدتر، ہم اس بحث میں الجھے بغیر ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے والے بہی خواہانِ ملت، مخلص قائدین اور دینی درد سے سرشار عامۃ المسلمین سے ایک نظریاتی اور فکری عرضداشت کے طور پر گذارش کرتے ہیں کہ۔

مسلمانوں کی عظیم اکثریت نفاذِ شریعت کی ہزار چاہت کے باوجود فکروعمل کے دائروں میں اجتماعی حیثیت سے اسلامی نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتی فکری طور پر قوم کے تعلیم یافتہ طبقے کے اذہان پر مغربی فلسفۂ زندگی غالب آچکا ہے جن درسگاہوں میں اس طبقے کے ذہن وفکر کی تعمیر ہوئی ہے ان کا نظام تعلیم مغربی طرزِ تعلیم کا ہی چربہ ہے آج ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک فی صد بھی ایسے افراد نہیں ملتے جو اپنی ذہنی سطح کے مطابق نہ سہی، اسلام کا ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے کوئی واضح تصور رکھتے ہوں، گذشتہ پینتالیس سالہ سیاسی مدوجذر اور حکومتی تجربات اور حالیہ سیاسی کبڈی کے پس منظر اور پیش منظر میں بحالات موجودہ اس کی توقع بھی کیسے کی جاسکتی ہے بلکہ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت کو سرے سے اس بات پر اطمینان حاصل ہی نہیں ہے کہ اسلام دورِ حاضر کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

اس وقت بھی خواہانِ ملتِ اسلام کو کسی مجرّب سیاسی جتھہ کے استحکام، کسی سیاسی ریلے میں بہنے اور کسی دہریہ یا منافق قوت کے لیے آلہ کار بننے کے بجائے قیام نظامِ اسلام کے لیے انقلابِ فکر کا اصول اور بنیادی کام کرنا ہوگا، اگر بارِ خاطر نہ ہو تو اس رائے کے اظہار میں ہمیں کوئی جھجک نہیں کہ دینی سیاسی جماعتوں اور بہی خواہانِ انقلابِ اسلامی کا اب تک کا موجودہ کام، قیام نظامِ اسلام کی ابتداء کرنے کے لیے بھی کافی نہیں چہ جائے کہ اسے قیام نظام کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کافی قرار دے دیا جائے یا اس سے یہ توقع وابستہ کی جائے کہ اس سے انقلابِ فکر کا وہ مرحلہ طے ہو جائے گا جو قیام نظام کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔ جب۔

یک خالص دینی، علمی اور اسلام کے انقلابی نظریات فکر کی دنیا میں غلبہ حاصل نہ کریں پرانے فرسودہ نظام کو اکھاڑ پھینکنے اور نیا نظام قائم کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں نظر آتا۔

اسلام کو برپا کرنے کا دعویٰ کرنے کے باوجود پاکستان میں حالت یہ ہے کہ فکر و اخلاق، سیرت و کردار اور طرزِ معاشرت تک کی حیثیت سے صرف یہ نہیں کہ ہم اسلام کو اپنا نہیں رہے بلکہ الٹا ہم اس کے مخالف سمت میں بڑھ رہے ہیں۔ یہاں سیاسی اخلاقی فکری معاشرتی غرضیکہ کسی حیثیت سے بھی اسلام کے لیے زمین ہموار نہیں ہوئی پاکستان کے یوم تاسیس سے لے کر آج تک ہم نے اسلام کی طرف عملی قدم نہیں بڑھایا بلکہ ہم اس سے اور دور چلے گئے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

سیاسی دائرے میں حالات پہلے سے زیادہ خراب ہوگئے ہیں اور حکمران طبقے کی کشمکش اقتدار نے جہاں ایوانِ حکومت و سیاست سے دیانت و امانت کی تمام قدروں کو نکال باہر کیا ہے۔ وہیں عوام کو انتخابات میں ناجائز کارروائی کرنے کی اس قدر ٹریننگ دیدی ہے کہ اس ملک میں منعقد ہونے والا ہر انتخاب گذشتہ انتخاب سے زیادہ بھیانک مناظر پیش کرتا ہے سپریم کورٹ کے عدالتی فیصلے کے بعد پھر سے انتخابات ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے؟ مستقبل کی نئی قیادت کی تشکیل کیا ہوگی؟ قرائن بتا رہے ہیں کہ وہی ہوگا جو کچھ پہلے ہوتا رہا ہے دینی قوتوں اور اسلامی انقلاب کے بہی خواہوں کے پلے شاید وہ بھی نہ پڑ سکے جو اب تک حاصل ہوتا رہا ولا فعلها الله، اس بحث سے بھی قطع نظر، اس وقت مملکت عزیز کے مجموعی حالات کا جائزہ لیا جائے۔ تو بددیانتیوں کے وہ وہ جوہر سامنے آتے ہیں جس سے انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے ہماری جو نئی پود سکولوں اور کالجوں میں تربیت پا رہی ہے اس کی حالت کے تصور سے ہر سلیم الفطرت انسان لرز جاتا ہے، فکری طور پر مغرب کے مادہ پرستانہ تصورات ہمارے اذہان و قلوب کی گہرائیوں میں اترتے چلے جا رہے ہیں جہاں تک ہماری معاشرت کا تعلق ہے ہمارے رہن سہن، انداز نشست و برخاست اور ظاہر و باطن پر مغربی طرز فکر کا غلبہ ہے جس نے ہماری سوسائٹی میں خوفناک انتشار کی کیفیت پیدا کر دی ہے رہی سہی جس مذہبی قیادت سے اسلامی انقلاب کے لیے کچھ فکری راہ ہموار کرنے اور عملی پیش رفت کا باعث بننے کی توقع تھی اس نے بھی سیاست کے وہی اطوار اپنا لیے ہیں جو بے دینوں کا طرۂ امتیاز ہوا کرتے ہیں تین دفعہ اسمبلی ٹوٹی بھری اور اب پھر بن رہی ہے مگر اسلام کے لیے عملاً ایک قدم بھی نہ اٹھایا جا سکا۔

ان حالات میں جو شخص قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ اسلام آرہا ہے اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہوگئی ہے شریعت کی بہار چھانے والی ہے اور یہ قوم اسلام کے انتظار میں آنکھیں فرشِ راہ

کیے ہوئے ہے وہ یا تو ہمارے اجتماعی رجحانات اور اسلام سے، ناواقف ہے یا پھر اپنی کسی سیاسی مصلحت کے پیش نظر جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ نیز اس حقیقت سے بھی دنیا کی کوئی طاقت انکار نہیں کر سکتی کہ دنیا میں آج تک جو نظام بھی قائم ہوئے ہیں ان کی بنیاد ہمیشہ قوموں کی فکری رہنمائی کرنے والے طبقے کے تصورات پر ہی رکھی گئی ہے اولادِ آدم کی یہ ایک ایسی مستقل سنت ہے جسے دورِ حاضر کی جمہوریت بھی نہیں بدل سکی۔ محض عوامی مطالبات محض جلسہ جلوس یا زیادہ سے زیادہ چند ممبریاں حاصل کرنے کے سہارے عوامی جذبات اٹھائیں جائیں اس طرح کی سیاست سے آج تک کوئی نظام قائم نہیں ہو سکا۔

کسی نظام کے لیے محض الیکشن اسلیکشن، چند سیٹیں، وزارتیں یا وہ عوامی تائید جس کی پشت پر ٹھوس فکر اور اس فکر کو لے کر چلنے والا ایک مضبوط تعلیم یافتہ طبقہ موجود نہ ہو پنپنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کسی جماعت کی ہوشمند قیادت نے یہ طریقہ کبھی اختیار نہیں کیا کہ اپنے اصولوں اور نظریات کی اشاعت کے لیے مثبت کوشش اور فکری وشعوری انقلاب کے لیے سعی کرنے کے بجائے بعض نعروں کے نام پر منعقد ہونے والے جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ برسر اقتدار گروہ پر اپنے اصولوں کو اپنانے اور نافذ کرنے کے لیے دباؤ ڈالے جن اصولوں پر وہ جماعت نہ ایمان رکھتی ہو۔ نہ اس کے اندر انہیں عملی جامہ پہنانے کی استعداد موجود ہو اور نہ وہ ان اصولوں کو قابل عمل اور دورِ حاضر کے تقاضوں کے لیے موزوں تصور کرتی ہو۔ دنیا میں معمولی سے معمولی کام قلب وذہن کی پوری آمادگی کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے تو پھر ہمارے بہی خواہانِ ملت اس آمادگی کے بغیر اسلامی نظام کے قیام جیسا عظیم کام کروانے میں کیسے کامیاب ہو سکیں گے۔

پاکستان کے گذشتہ تمام الیکشنوں اور سیاست دانوں کے نعروں کا ایک بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو یہی صورت سامنے آئے گی کہ یہاں کے عوام اسلام چاہتے ہیں لیکن محض جذباتی طور پر، اور یہ بھی ایک عجیب مضحکہ خیز پوزیشن ہے کہ جب ہمارا کوئی عوامی اجتماع اسلام کے حق میں فلک شگاف نعرے لگا کر منتشر ہوتا ہے تو اس کا ایک ایک فرد (الا ماشاء اللہ) اپنی عملی زندگی میں ایک ایک قدم پر اسلام کی اخلاقی قدروں کو پامال کرتا ہے اگر اس قسم کے عوامی اجتماعات اور ہڑبونگ سے کوئی نظام برپا ہو سکتا تو غالباً صفحہ ارض پر آج کوئی خطہ یا ملک ایسا نہ ہوتا جہاں زندگی کے کسی نہ کسی اصول کی کارفرمائی نہ ہوتی۔

پاکستان کی تمام ایسی جماعتیں جو اسلامی نظام کے قیام کو اپنا واحد نصب العین بتاتی ہیں سب اسی دھارے میں بہہ رہی ہیں کہ محض عوامی دباؤ، الیکشن یا سلیکشن اور جلسہ ہائے احتجاج کے شور وغوغا سے حکمرانوں اور قومی قیادت کو اسلامی اصولوں کو اپنانے پر مجبور کیا جائے ہمارے نزدیک اس سے زیادہ سطحی

اور مصنوعی طرز فکر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

جب یہ قطعی طور پر طے شدہ امر ہے کہ موجودہ حکومت سمیت حزب اختلاف کی اکثریتی سیاسی قیادت دین سے بے تعلق اور عملاً اسلام سے منحرف ہے اپنی نجی اور عوامی زندگی میں رات دن خلاف اسلام حرکات کا ارتکاب کرتی ہے تو پھر انہی لوگوں سے اتحاد یا ان ہی سے مطالبہ کہ وہ اسلام کو اس ملک کے نظام کے طور پر اپنائیں حد درجہ اضحوکہ ہے اتنا بڑا کارنامہ محض سیاسی مجبوری، اتحادیوں کی رضامندی، الیکشن، قبول وزارت یا کسی سیاسی دباؤ کے تحت کبھی وجود میں نہیں آتا کوئی گروہ یا طبقہ کسی ایسے نظام کے قیام میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے جس پر وہ خود بصمیم قلب ایمان نہ رکھتا ہو اس کے لیے تو یکجہتہ ایمان وعقیدہ اور قلب و ذہن کی مکمل آمادگی کی ضرورت ہوتی ہے اس کام کو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اسے اپنا مقصد زندگی بنائیں اور اپنی تمام دوسری دلچسپیوں کو خیرباد کہہ کر اس کام کو اپنی جملہ توجہات کا مرکز قرار دیں لہٰذا ہمیں دوسروں سے محض مطالبہ کرنے پر اپنا سارا زور اور وسائل صرف کرنے کے بجائے احساس وشعور میں تبدیلی اور فکری انقلاب کے لیے جامع منصوبہ بندی کے ساتھ مثبت کوششیں کرنی چاہئیں۔

عبدالقیوم حقانی

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

فضیلت اور اہمیت علم دین

طلبۂ علوم نبوت کا کام، مقام اور مستقبل

مورخہ کو دارالعلوم حقانیہ کے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ میں منعقد ہوئی جس میں دارالعلوم کے مشائخ اساتذہ طلبہ اور ان کے والدین کے علاوہ معززین شہر شریک ہوئے، اس موقع پر دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم نے جو خطاب فرمایا اسے اس ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کر لیا گیا تھا اب افادۂ عام کے پیش نظر کیسٹ سے من و عن نقل کر کے نذر قارئین ہے۔

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم، اما بعد۔

میرے عزیز اور پیارے طالب علم بھائیو! جیسا کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ذکر فرمائی تو گویا کہ اہل مدینہ کو آپؐ کے یہ واضح ہدایات تھے کہ ایک ایسا دور آئے گا کہ دنیا کے کونے کونے اور دور دراز سے لوگ تحصیلِ علمِ دین کے لیے مدینہ منورہ آئیں گے اور اتنی سخت تکالیف اور مشکلات برداشت کریں گے کہ اکبادالابل کو ماریں گے

طلبہ دین! خوش آمدید! تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم لوگ ان کو خوش آمدید کہا کرو اور اُن کی خدمت کیا کرو تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ کی پیروی میں آپ لوگوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے آنے کو دارالعلوم کے لیے خیر و برکت کا باعث بنائے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا انعام و اکرام ہے کہ آپ کو تحصیلِ علم دین کے لیے فارغ کر دیا، اور توفیق عنائت فرمائی اور یہ کام بغیر توفیقِ خداوندی کے نہیں ہو سکتا اور خاص کر اس پُر آشوب زمانہ اور پُر فتن دور میں جب کہ دنیا کا پورا رُخ بدلا ہوا ہے دنیا پرستی کا زمانہ ہے حصول علم دین کے ساتھ جاہ و منصب، مال و دولت کا مقابلہ ہے، لوگ تحصیلِ علمِ دین کو فضول کام کہتے ہیں۔

اہل دنیا کا حال ان کا ذہن ہے کہ ہم یونیورسٹیوں، کالجوں کو کیوں نہ جائیں، سائنس، فلسفہ اور انجینئرنگ کی ترقیات کیوں حاصل نہ کریں، دنیا کی اعلیٰ تعلیم کیوں حاصل نہ کریں تاکہ کمشنر بن جائیں ڈپٹی کمشنر اور اعلیٰ افسر بن جائیں، دنیا اس دوڑ میں مسابقت کر رہی ہے۔

اللہ کا انتخاب

بہرحال اس زمانہ میں تحصیل دین کے لیے نکلنا ہمارا کمال نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے کہ تمہارا رُخ اس طرف موڑ دیا ، دنیا کی طرف نہیں گئے کالج اور یونیورسٹیوں سے آپ کو علیٰحدہ کردیا ۔ دنیا کا بندہ نہ بنایا کہ دنیا کے پیچھے دن رات لگے رہتے ، مزدوری کرتے ، کارخانے چلاتے ۔ ٹوکری سر پر رکھ کر روٹی کے لیے دن رات محنت کرتے ، ان تمام سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بچا لیا اور قال ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیٹھا دیا ، اس سے اللہ کا بڑا انتخاب نہیں ۔

تشکر و امتنان

تو اس پر شکر گذاری کرنی چاہیئے اللہ کو ہماری کوئی ضرورت نہیں بلکہ ہم کو اللہ کی ضرورت ہے ، کروڑوں اور اربوں میں جس کو اللہ تحصیل علم دین کے لیے منتخب فرمائیں ۔ تو اُس کو سربسجود رہنا چاہیئے ، کہ اے اللہ آپ نے ہم کو اشرف المخلوقات بنایا اور انسان پیدا فرمایا اگر اللہ ہم کو نالی کے کیڑے بنا دیتے ، گائے یا بھینس کوئی جانور اور چوہا بلی کی صورت میں پیدا کر دیتے تو ہم کیا کر سکتے تھے اور اگر یہودی اور عیسائی بناتے ، ہندو ، کمیونسٹ ہوتے تو ہم کیا کر سکتے تھے ، لیکن پھر انسانیت کے بعد سب سے بڑا و عظیم شرف ، شرف علم عطا فرمایا ۔

حسنِ خلق اور زیور علم

ارشاد باری تعالیٰ ہے علم الانسان مالم یعلم اور ارشاد ہے ۔ وربك الاکرم الذی علم بالقلم ارشاد ہے اقراء باسم ربك الذی خلق

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام لو اپنے رب کا جس نے تمہیں پیدا فرمایا یوں تو اللہ تعالیٰ نے گدھے بیل ، بھینس اور دیگر حیوانات کو پیدا فرمایا ہے مگر انسان کو حسن خلق کی صفت سے متصف فرمایا اور جہاں اللہ نے خلق کا ذکر فرمایا وہاں وربك الاکرم الذی علم بالقلم فرما کر علم دین ، تعلیم قلم کے اعزاز و اکرام کو بیان فرمایا ۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں عظیم صفت علم ہے ، تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ صفت علم - انسان کو عطا فرمائی ، لیکن علم بھی علم دین کا جو معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے ، علوم دنیوی بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے لیکن وہ صرف دنیا تک محدود ہے دنیوی علوم انسان کو اشرف المخلوقات نہیں بناتے ، اگرچہ سائنس میں بڑی ترقی ہوئی ہے ، ٹینک ، بم ، ایٹم بم بناتے ہیں ، ایک دنیا اس سے تباہ کردی جاتی ہے ۔ وہ انسان کو غلط استعمال سے اسفل السافلین تک پہنچا دیتے ہیں وہ انسان کو " اولئك کالانعام " کے درجے میں لا کھڑا کرتے ہیں ذلك مبلغهم من العلم جن کا مبلغ علم صرف دنیا داری اور مادہ پرستی ہے ان بدنصیبوں کی یہی پرواز ہے ان کی رسائی صرف دنیا تک ہے تو وہ اولئك کالانعام بل هم اضل کا مصداق اتم قرار پاتے ہیں ۔

خلافت ارضی

اگر انسان اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض بنتا ہے تو وہ صرف علم الٰہی ہی سے بنتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اس سے بڑھ کر دوسری نعمت نہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو علم دین کا طالب علم بنایا اور اتنی بڑی تعداد میں اساتذہ کرام آپ کے لیے مہیا فرمائے جو صبح سے شام تک احادیث رسولؐ پڑھاتے ہیں دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ کرام کا گلدستۂ علم و فضل شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب، حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب، حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب، حضرت مولانا سیف اللہ صاحب، حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا انوار الحق صاحب اور حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب غرض کس کس کا نام لیا جائے تمام اساتذہ کرام اپنی اپنی جگہ علم و فضل کے پہاڑ اور تعلیم و تربیت کے ماہرین ہیں، علم قرآن، علم حدیث، علم فقہ غرض تمام علوم عالیہ بڑی توجہ وانہماک سے پڑھاتے ہیں۔

صحابہؓ اور حصولِ علمِ دین

علم دین کی صحیح قدر منزلت صحابہ کرامؓ کو معلوم تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقدس میں دس دس سال رہ کر پھر بھی ایک ایک حدیث کے لیے دنیا کے اسفار کرتے تھے اور آپ لوگوں کے لیے اللہ نے علم کے تمام خزانے یکجا جمع کر دیئے ہیں۔

حاجی جب مکہ سے مدینہ جاتا ہے تو کتنی مشقت سے جاتا ہے جب کہ آج زمانہ بسوں، کاروں اور کوچوں کا ہے وہ حضرات اونٹوں پر سفر کرتے تھے، ایک ایک حدیث کے لیے دمشق جا کر سیکھا کرتے تھے۔

ملاقات کے لیے نہیں، سماع حدیث کے لیے

ایک صحابی مدینہ منورہ سے مصر جاتا ہے قاہرہ، جب مصر کے صحابی نے اسے دیکھا تو بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار کیا کہ مدینۃ الرسولؐ سے میرا فلاں ساتھی آیا ہے، ملاقات رہے گی، کئی مہینوں کے سفر کی مسافت کے باوجود مہمان صحابی نے فرمایا مجھے فلاں حدیث بیان کر دیں تاکہ میں واپس چلا جاؤں۔

یہ تھی صحابہ میں علم دین کی قدر، آپ لوگ بھی اس کی قدر کریں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام علوم اور احادیث یہاں جمع فرما دی ہیں اور پھر کچھ نہ کچھ اسباب بھی مہیا فرما دیئے ہیں۔

وسائل اور مسائل

ہماری یہ خواہش ہے کہ ہر ایک کو آرام اور آسائش پہنچائیں، خدا کی قسم ہمیں بڑی کوفت ہوتی ہے کہ ایک چھوٹا طالب علم بھی محروم واپس چلا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ اتنے اسباب اور وسائل ہوتے کہ ہزاروں کی تعداد طلبہ آتے اور ہم سب کی قدر کرتے، انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتے ان کے لیے قیام اور کمروں کا انتظام کرتے، ان کے کھانے کا بندوبست کرتے، لیکن وسائل محدود ہیں، دارالعلوم میں حکومت کی ایک پائی کی امداد بھی نہیں ہے اور نہ ہم نے حکومت یا سرمایہ داروں کسی سے امداد کی درخواست

کی ہے اور نہ حکومت کی امداد قبول کرتے ہیں۔ آپ کے دارالعلوم کا مطبخ اور تمام امور خالص اہل خیر کی زکوٰۃ اور اخلاص سے چل رہے ہیں۔ ہمارے پاس جس قدر بھی ممکنہ وسائل ہیں ان کو استعمال میں لاکر ہمیں طلبہ دین کی خدمت میں خوشی ہوتی ہے۔

قیام واستفادہ علم کے لیے امکانی کوششیں

آپ کی خدمت کرنے پر خوشی ہوتی ہے، آپ لوگ محسوس کریں گے کہ یہاں طالب علم بہت زیادہ ہیں اور قیام کے لیے حسب ضرورت کمرے نہیں ہیں اور ابھی تو بہتوں کو کمرے بھی نہیں ملے، مولانا انوارالحق صاحب اور تمام اساتذہ کرام کوشش کرتے ہیں کہ کچھ مزید گنجائش ہو جائے، اور ہم چاہتے کہ گاؤں میں کرائے کے کچھ مزید مکان بھی مل جائیں تاکہ آپ لوگوں کے لیے قیام اور اطمینان سے مطالعہ واستفادہ کا انتظام ہو جائے لیکن تھوڑی سی تکلیف آپ کو بھی بہرحال برداشت کرنی پڑے گی۔

تحصیل علم دین اور سلف صالحین

تحصیل علم کے لیے سلف صالحین نے کیا کیا تکالیف برداشت نہیں کیں اور کس کس طرح ایثار سے کام لیا بھوک، افلاس اور فقر و فاقہ برداشت کیا، خدا تعالیٰ کا نظام ایسا ہے کہ حصول علم دین کو تکالیف سے وابستہ کیا ہے، یونیورسٹیوں کی یہ بلند عمارات، پارک اور کلب اور عیاشیوں اور راحت و آرام کے وسائل اللہ نے ان کے حوالے کر دیئے ہیں۔ آپ طلبہ علوم دینیہ کے لیے بھوک ہے فقر و فاقہ ہے اور ایثار و قربانی کو منتخب فرمایا ہے۔

طلباء کا مستقبل

چونکہ آپ لوگوں کو مربی بنایا جاتا ہے، آپ نے آئندہ اہل باطل سے مقابلہ کرنا ہے، کفار کمیونسٹ اور ملحدین اور اہل بدعت سے حق کی جنگ لڑنا ہے ایک خطرناک دور آرہا ہے، فوج میں اگرچہ بادشاہ کا بیٹا کیوں نہ ہو، برطانیہ کی ملکہ کا بیٹا کیوں نہ ہو، تو ان کو بھی سال، دو سال کے لیے سخت ٹریننگ دی جاتی ہے، دور دراز کے اسفار کرائے جاتے ہیں، صبح سویرے اٹھائے جاتے ہیں انہیں مارتے، پیٹتے، ورزش کراتے ہیں اور دریاؤں میں تیراتے ہیں، یہ اس لیے کہ وہ ان مراحل سے گزر کر آئندہ کے حالات اور قوی تر دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

خلافت کا عہدہ

علم دین کے ساتھ تو ابتلا آت خیر القرون کے زمانہ سے آرہے ہیں تو اس میں تکالیف مشکلات ضرور آئیں گے۔ بھوک پیاس فقر و فاقہ، تنگی و عسرت ریاضت اور محنت ومشقت کو جی سے برداشت کرنا پڑے گا۔ جب اس بھٹی سے نکلو گے تو پھر کامیاب ہو گے، رسولوں کی وراثت کا منصب اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کا عہدہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لیے بھرپور عزم اور عظیم تیاری کی ضرورت ہے امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ

کہ علم سراسر عزت ہے اس میں ذلت نہیں لیکن یہ محنت اور ذلت سے حاصل ہوگا جس میں کوئی عزت نہیں گلیوں میں وظیفے مانگنے پڑیں گے، سوال کرنا پڑے گا، چندے کرنے پڑیں گے، ہمارے اکابر نے بالخصوص والدی الکریم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے زمانۂ طالب علمی میں گھروں سے وظیفے مانگے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ کا اولین سلسلہ ہماری مسجد سے شروع ہوا تھا حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے رات دن اپنی زندگی کو طالبعلموں کے لیے وقف فرما دیا تھا گھر میں بھی ان کے لیے روٹی پکتی تھی اور محلے سے وظیفہ بھی مانگتے تھے تو جب مسجد میں کوئی چھوٹا طالب علم نہیں ہوتا تھا تو والد صاحب رحمہ اللہ مجھے فرماتے تھے کہ بیٹا جاؤ مسجد میں طالب علم بھوکے ہیں ان کے لیے وظیفہ لے آؤ، تو میں روتا تھا، شرم آتی تھی، محلے کی عورتیں اور بچے مجھ پر ہنستے تھے لیکن والد صاحب رحمہ اللہ کا حکم تھا فرماتے کہ بیٹا طالبعلم کیا کریں گے ضرور جانا پڑے گا تو پھر مجھے چار و ناچار طلبہ کے لیے گھروں سے روٹی سالن لانے کے لیے جانا پڑتا تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اُن تکالیف سے بچایا ہے اللہ نے ہمیں مخلصین دیئے ہیں دارالعلوم کے قیام اور استحکام کا انتظام فرمایا ہے تاہم اس میں تکالیف آئیں گی۔

امام بخاریؒ کی طالب علمی کا ایک واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تمام علم تکالیف میں حاصل کیا، وہ جہاں اسباق پڑھتے تھے، اسباق میں کبھی بھی ناغہ نہیں کرتے تھے، ایک روز اتفاقاً غائب رہے، ساتھی پریشان ہوئے کہ یہ شخص تو ناغہ نہیں کرتا آج کیوں سبق کیلئے نہیں آیا، طالبعلم ساتھی اُن کی رہائش گاہ پر آئے دروازہ کھٹکٹایا لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے دروازہ نہیں کھولا ساتھیوں نے آواز دی کہ دروازہ کھولو ورنہ ہم دروازہ توڑیں گے، امام صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ میں تو اپنا راز چھپانا چاہتا تھا، لیکن تم لوگوں نے فاش کر دیا، میرے پاس ایک جوڑہ کپڑے ہیں، اور کوئی چیز نہیں جس سے میں عورت غلیظہ چھپا سکوں، آج کمرہ بند کر کے اُس جوڑے کو دھو رہا ہوں اور برہنہ بیٹھا ہوں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے لیے ان کے والد نے ایک گھر ورثہ میں چھوڑا تھا، وہ اس گھر کی ایک ایک کڑی فروخت کر کے گذارہ کرتے تھے۔ مگر طلب علم کے مشاغل میں کوئی رکاوٹ نہیں آنے دی۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا قاسم نانوتویؒ ہمارے اکابر میں مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ (ربانی دارالعلوم دیوبند) اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ایسی آپ نے سلسلہ سند میں ان حضرات کا ذکر سنا، یہ دونوں اکابر دہلی کی جامع مسجد میں سبق پڑھتے تھے، اتنا کچھ ان کے پاس نہ تھا جس سے پیٹ بھرنے کا کچھ انتظام ہوتا اسی طرح مسجد میں روشنی کا انتظام بھی نہیں تھا، تو شہر کے دوکانوں کے لالٹین کی روشنی سے اپنی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، اور بازار کے سبزی فروش شام کو

جب کچھ ناکارہ سبزی وغیرہ پھینک دیتے تھے تو حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی چپکے سے جاکر اس میں کارآمد یا بقدر کفاف سبزی تلاش کرکے لاتے اور اُبال کر کھایا کرتے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق میرے والد حضرت شیخ الحدیث فرمایا کرتے تھے کہ ہم کبھی کبھی ایک ایک ماہ تک گھاس اُبال کر گذارہ کیا کرتے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت شیخ الحدیث علاقہ چھچھ میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث نے بارہا یہ واقعہ سنایا کہ جب میں میرٹھ میں ایک مدرسے میں گیا تو مدرسہ نے کھانا دینے سے انکار کیا، تو وہاں غزنی کا ایک طالب علم تھا اللہ تعالیٰ نے اُس کو میرے اوپر مہربان کیا، اُس نے کہا میں آپ کو ایک وقت کا کھانا دوں گا، اور ایک وقت آپ خود گذارہ کریں۔ میں چھ مہینے تک اُس سے ایک وقت کا کھانا لیتا رہا اور آرام سے کھاتا رہا، مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ اُس کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی نہیں، خود فاقہ کرکے گذارہ کرتا تھا پھر حضرت شیخ الحدیث اُس طالب علم کے لیے تعلیمی سال کے آغاز میں ہمیشہ دعائیں دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے اُس کا نام بھی یاد نہیں مگر کام اتنا کیا ہے کہ میری ہر دعا میں شریک رہتا ہے۔ یہ تو اُس زمانہ میں طالبعلموں کا ایثار تھا تو اس دارالعلوم حقانیہ میں جس سے ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں اور طلباء اور علماء کو فیض پہنچ رہا ہے اس گمنام طالبعلم کا بھی حصہ ہے، جس نے حضرت شیخ الحدیث کو چھ مہینے تک کھانا کھلایا ہے۔

وسعتِ ظرف اور کفایت تو تم بھی اس طرح ایثار سے کام لو، اگر کمرے میں چھ آدمیوں کی جگہ ہو تو یہ کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ کسی وجہ سے چار ہو جائیں، بلکہ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ آٹھ کو جگہ دے دی جائے اور اگر پانچ آدمیوں سے کھانا بچتا ہے، تو ایک مزید طالب علم کو اپنے کمرہ میں جگہ دے دی جائے تاکہ تمہاری طرح وہ بھی علم سے محروم نہ رہے۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طعام الواحد یکفی الاثنین وطعام الاثنین یکفی الاربعہ کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو کفایت کرتا ہے اور دو کا کھانا چار کو کفایت کرتا ہے

آپؐ کا صحابہ کرام کو اس طرح فرمانا اس لیے تھا کہ وہ بھی آپ جیسے طالب علم تھے، اور مسجد نبویؐ میں صُفہ کے مقام پر آپؐ سے احادیث، قرآن سیکھتے تھے، آپ حضرات احادیث میں پڑھیں گے کہ صحابہؓ کرام نے کتنی بھوک برداشت کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا فاقہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ مجھ پر زمانہ طالب علمی میں بھوک کی وجہ سے غشی طاری ہو جاتی تھی، تو لوگ میری گردن پر پاؤں رکھتے تھے کہ اس پر جن ہے۔ لیکن ومابی الا الجوع، کہ یہ غشی بھوک کی وجہ سے تھی، اور لوگ (کفار) کہتے تھے کہ ہو لاء مجانین

تو طالب علم کی شان سادگی ہے یہ فیشن اور آرائش طالب علم کی شان نہیں، علم تواضع اور فروتنی سے اور صبر و اخلاص سے حاصل ہوتا ہے۔

تعمیر جدید ۔ ہم پوری پوری کوشش کر رہے ہیں کہ آپ کے لیے کمروں کا انتظام ہو جائے، یہ کچھ سلسلہء تعمیر جو شروع ہو چکا ہے اور جدید ہاسٹل بن رہے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں جب یہ مکمل ہو جائیں گے تو پھر بہت کمی پوری ہو جائے گی، اب احاطہ مدنیہ میں ۸۰ یا ۱۰۰ آدمی بمشکل رہ سکتے ہیں، پھر انشاء اللہ العزیز اس کی تکمیل کی وجہ سے چار سو آدمیوں کی جگہ ہو جائے گی، غسل خانوں، ڈرائینگ ہال اور اس طرح کی تمام سہولیات اللہ تعالیٰ اس زمانے کے ساتھ ساتھ پورا فرمائیں گے۔ لیکن کچھ ابتلاآت اور آزمائش ضرور آئیں گے، اب اگر جگہ نہیں تو برداشت اور حوصلہ سے کام لینا ہوگا۔ ہم کرایہ کے مکانات کی کوشش میں ہیں، لیکن آپ لوگ جب تک جگہ نہ ملے مساجد میں بھی قیام کی صورتیں نکال لیں، دارالاقامہ کے نظار درسگاہوں میں بھی انتظام کر رہے ہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ جملہ ضروریات کو اللہ تعالیٰ پورا فرمائیں گے۔

دنیا ایک وسیع میدان جنگ لیکن آپ حضرات وقت کی قدر کریں، وقت اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے، وقت کی بے قدری نہیں ہونی چاہیئے، جلسے جلوسوں میں وقت ضائع نہ کریں، آپ دنیا کی ایک بڑے امتحان گاہ میں داخل ہوئے ہیں، آپ کے سامنے دنیا کا ایک وسیع میدان جنگ ہے، حکومتوں سے، بے دین وکیلوں سے اور لادین ججوں سے مناظرے کرنے ہونگے، اسلامی احکامات اور قوانین کی صداقت ثابت کرنا ہوگی۔ تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ طالب علم ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرے۔

اسلام سب کا جواب ہے مگر یاد رہے کہ صرف صغریٰ، کبریٰ کے سیکھ لینے سے کام نہیں بنیگا یہ بھی سیکھو لیکن موجودہ زمانے کے حالات کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھو، وہ سائنٹیفیک طریقے سے کہیں گے کہ مولانا صاحب ہمیں یہ ثابت کرکے بتاؤ کہ ہدایہ کے قوانین موجودہ دور میں کیوں اہم ہیں، دنیوی قوانین سے اسلامی قوانین کا موازنہ کیسے ہوگا، کیمونسٹوں کار دکیسے کروگے، اللہ کی وحدانیت کیسے ثابت کروگے، اس دور میں دنیا بہت آگے جا چکی ہے، مگر ہمارا اسلام سب کا جواب ہے۔

وقت کی قیمت دارالعلوم میں آپ کو دنیا بھر کے نظریات کو پرکھنا ہوگا، مطالعہ کرنا ہوگا، یہ کوئی آسان کام نہیں آپ سب سخت کام کرنے آئے ہیں، اگر طالب علمی کا ایک سال پچاس سال

کے برابر ہو جائے تو پھر بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی ہے مقصد چیزوں میں نہ پڑو اور ہمہ تن لایعنی چیزوں سے کٹکر سراسر علم دین کے لیے متوجہ ہو جاؤ ۔

یہ وقت بہت قیمتی ہے جس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا ، ہمارے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ اللہ کے حقوق کا تدارک ہو سکتا ہے ایک حقوق اللہ فی الاوقات ہے اور دوسرے حقوق الاوقات ہیں حقوق اللہ فی الاوقات یہ ہیں کہ ظہر کی نماز وقت پر پڑھی جائے عصر کی وقت پر پڑھی جائے اشہر حج میں حج کیا جائے اور رمضان کے مہینے میں روزہ رکھا جائے تو اگر کسی مجبوری سے نماز ظہر کے وقت پر نہ پڑھی تو پھر دوسرے وقت میں اس کی قضا لوٹائی جائے ۔

اشہر حج میں حج نہ ہوا تو آئندہ ادا ہو جائے گا ، رمضان میں بوجہ مجبوری روزے نہ رکھے دیگر ایام میں رکھ لیے جائیں گے ۔ لیکن وقت کا جو حق ہے حقوق الاوقات تو اس کا تدارک نہیں ہو سکتا گذرا ہوا وقت دوبارہ نہیں لوٹایا جا سکتا وہ ضائع نہ ہونے پائے اُس کو اپنے مصرف میں خرچ کر لیا جائے ، اور جو وقت ضائع ہو گیا دس ہزار سال میں اُس کی تلافی نہیں ہو سکتی ، تو حقوق الاوقات کبھی دوبارہ نہیں ادا کیے جا سکتے ۔

آپ کے لیے اساتذہ بیٹھے ہوتے ہیں ، مدرسہ آپ کی خدمت کرتا ہے ، باپ آپ کا ضعیف ہے اور چچا ضعیف ہے والدہ معذور ہے ، اُن کو تمھاری خدمت کی ضرورت ہے ، آپ ان کے لیے مزدوری کرتے اُن کے لیے رزق کماتے لیکن انہوں نے کہا کہ بیٹا ! ہماری خدمت نہ کرو ، ہمارے لیے کمائی نہ لاؤ بلکہ جاؤ اور دارالعلوم میں علم الٰہی حاصل کرو ، تو جب آپ اپنا وقت ضائع کروگے تو اپنے آپ پر بھی ظلم کیا ماں ، باپ پر بھی ، مدرسہ اور اُستاد پر بھی ۔ جس کی تلافی زندگی بھر ناممکن ہے ۔

حضرت قتادہؒ کی تمنا

علم کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ ہر وقت اس کا وقت ہے ، غالباً حضرت قتادہؓ رویا کرتے تھے کہ اگر کھانے پینے اور تقاضوں کے اوقات نہ ہوتے تو کیا بہتر ہوتا اور فرماتے تھے کہ مجھ پر دو اوقات بہت شاق گزرتے ہیں ، ایک کھانے کا وقت اور دوسرا اقتضاء حاجت کا وقت ، حالانکہ حضرت قتادہؓ نابینا تھے لیکن اتنا علم حاصل کیا کہ علم کا ایک پہاڑ بن گئے ۔

امام ابویوسفؒ کا ذوق تحصیل علم

حضرت ابراہیم راوی ہیں کہ امام ابو یوسفؒ سکرات الموت میں تھے کہ میں ان کی عیادت کے لیے ان کے ہاں چلا گیا ، جب آپ کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلے یہ بات چھیڑ دی کہ "رمی راکباً" افضل ہے یا "ماشیاً" تو میں نے عرض کیا کہ راکباً

تو فرمایا اَخطأتُ ۔ تو نے غلطی کی ، پھر میں نے عرض کیا کہ ماشیاً تو فرمایا کہ اخطأتَ اور پھر فرمایا کہ اگر رمی کے بعد رمی ہو تو ماشیاً افضل ہے اور اگر رمی کے بعد رمی نہ ہو ماشیاً افضل ہے راوی کا بیان ہے کہ جب میں ان کی عیادت کر کے گھر سے باہر آیا تو دروازے سے ابھی باہر نہ نکلنے پایا تھا ، گھر سے رونے کی آواز آئی اور آپ انتقال فرما گئے ۔

قابل رشک ذوق مطالعہ

مولانا شبلی نعمانی نے ایک مستشرق انگریز پروفیسر آرنلڈ جو مولانا شبلی اور علامہ اقبال کے استاذ تھے کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بحری جہاز میں لندن جا رہے تھے اور ہم بھی ساتھ سفر میں تھے کہ اتنے میں جہاز کو آگ لگ گئی ، سارے لوگوں میں افراتفری مچ گئی اس دوڑ دھوپ میں ہمیں فکر لاحق ہوئی کہ ہمارے اس انگریز پروفیسر کا کیا حال ہوگا جب ہم نے آکر دیکھا تو اُس کو اس افراتفری کا کوئی علم نہیں تھا اور وہ اپنی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف تھا ، ہم نے انہیں صورت حال بتائی ، کہ جہاز غرق ہو رہا ہے ، تو انہوں نے کہا کہ جب غرق ہو رہا ہے تو مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنا مطالعہ مکمل کر لوں چند صفحے ابھی باقی ہیں ۔

تو علم ایک ایسی چیز ہے جو بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتا ، اس کے تحصیل کے لیے وقت دینا ہوگا قربانی دینی ہوگی ۔

کتاب ، استاذ ، مدرسہ اور طلبہ کا احترام

اور اس علم کے لیے ایک اہم ذریعہ اساتذہ اور مادر علمی کا آداب اور احترام ہے یہ کوئی صرف فنی تعلیم نہیں کہ فیس دو اور پڑھو ، بلکہ یہ سارا معاملہ روحانیت کا ہے اور یہ تمام تر ادب پر چل رہا ہے ، اگر آپ کا ادبی رشتہ ، کتاب ، استاذ ، دارالعلوم اور طالب علم کے ساتھ مستحکم ہے ۔ تو پھر عالم بن جاؤ گے اور اگر ادب کا رشتہ کمزور ہو یا کالعدم ہو تو علم کے برکات حاصل نہیں ہوں گے ۔

دارالعلوم دیوبند سے بڑے بڑے لوگ فارغ ہوئے ، حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے تھے اور جو غبی اور کند ذہن تھے لیکن اساتذہ کا احترام کرتے تھے ، مادر علمی کا احترام کرتے تھے کتاب کے ساتھ ادب کا رشتہ مستحکم تھا وہ آج بڑے بڑے محدثین بن گئے ہیں ، حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے کہ خود مجھ پر مدرسے کے طالب علم ہنسا کرتے تھے کہ جب میں حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا ۔ وہاں کی صفائی کرتا تھا اور طالب علم کہتے تھے یہ دکھلاوے کے لیے کرتا ہے ، صرف اساتذہ کو دکھانے کے لیے کرتا ہے ، اب میں جو کچھ بھی تھا اور جیسا بھی کمزور تھا مگر اساتذہ کی خدمت اور دعاؤں کے صدقے اللہ تعالیٰ مجھ سے خدمت دین کا کام لے رہے ہیں ۔ تو یہ ایک کشش ہے اس کو ٹھیک رکھو گے تو کام صحیح

ہوگا جیسا کہ بجلی کا کنکشن جب پاور ہاؤس سے درست ہوتا ہے، تو بجلی آتی ہے آپ نے اپنے اس کنکشن کو بھی درست رکھنا ہوگا، آپ نے بھی سلسلہ سند میں سُنا جو حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ سے لے کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہے۔

احترام استاد و مدرسہ

حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا کرتے تھے کہ بعض طالب علم ایسے بھی ہوتے تھے کہ وہ اپنی مادر علمی دارالعلوم کی دیواروں کی طرف اور اساتذہ کے گھروں کی طرف پاؤں بھی نہیں پھیلاتے تھے، حضرت مدنیؒ جب گنگوہ کے اردگرد ہوتے تو فرماتے تھے کہ کہیں بے احتیاطی میں گنگوہ شریف کی طرف پاؤں نہ ہو جائیں۔

تو مطبخ میں کبھی سالن اچھا نہیں ہوگا اور کبھی دال لگی ہوگی اور سالن میں کبھی نمک زیادہ ہوگا تو ان چیزوں کو برداشت کرنے سے علمی ترقیات کے دروازے کھلیں گے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ فرمایا کرتے تھے، دیوبند کے مہتمم مولانا شاہ رفیع الدین صاحب بڑے اولیاء میں شمار ہوتے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم دیوبند کا عکس جمیل ہے

دارالعلوم دیوبند کے ساتھ اللہ کا جو خاص معاملہ ہے اسی طرح دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ بھی اللہ کا ایک خاص کرم ہے، اِن کے فضلاء کو اللہ ضائع نہیں کرتا اور اِن کا روحانی فیض ایسا ہے کہ تمام عالم اسلام کو پہنچتا ہے، اور حضرت شیخ الحدیثؒ دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کے لیے رو، رو کر دعائیں کیا کرتے تھے اتنی دعائیں انہوں نے ہمیں (اپنی اولاد کے لیے) بھی نہیں کیں کہ اللہ دارالعلوم کے فضلاء کو سربلند فرما اور ہر جگہ کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرما، آپ جہاں کہیں جائیں گے تو وہاں بڑا محدث، بڑا عالم وہ دارالعلوم حقانیہ کا فاضل یا سابق طالب علم ہوگا، افغانستان میں جہاد سب نے کیا ہے، لیکن وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کو فضل و تقدم اور عظمت بخشی ہے۔

احترام کے تقاضے

ہاں کتابوں سمیت عام لکھے ہوئے کاغذات کا بھی احترام کرو اگر اس میں کسی طالب علم کا اور آپ کا نام بھی لکھا ہو تو اس میں اللہ اور رسولؐ کا نام ہوتا ہے ایسے کاغذوں اور اوراق کو بے جا استعمال کرنا حرام ہے۔ عراق کے ایک کُردی عالم کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک دن وہ کہیں سے گزر رہے تھے کہ اچانک ان کی ایک نالی میں کاغذ پر نظر پڑی دیکھا تو اٹھا لیا، دیکھا تو اُس پر اللہ کا نام تحریر تھا، وہ رویا اور روتے روتے اُس کو دھونے لگا اور کہا اے اللہ

(بقیہ صفحہ ۳۶ پر)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہم

منصوص اور غیر منصوص امور میں اختلافات

دین کیلئے کام کرنے والوں کو غلو اور تصادم سے بچانے کیلئے ایک اہم اصول

منصوص امور دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت و شکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت و شکل مطلوب ہے۔ اس کو ہم "منصوص بالوضع" کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص ہیئت و صورت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مثلاً ارکانِ دین اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں اور خود کر کے بھی دکھلائیں، مثلاً نماز۔ حج۔ وضو وغیرہ۔

غیر منصوص دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفس شی مطلوب ہے لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر (اور زمانہ کے تغیر اور امت کے لیے وسعت اور سہولت کا خیال کر کے) آپؐ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں صرف شے بتلا دی کہ یہ مقصود ہے یہ چیزیں خود منصوص ہیں لیکن ان کی کوئی خاص وضع و ہیئت منصوص نہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم و دین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کا امت تک پہنچانا، یہ سب امت سے مطلوب ہے اگر امت ان کو چھوڑ دے اور بالکل   کر دے تو وہ گنہگار ہو گی لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں، ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا بلکہ اس بارے میں امت کی عقل سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کو ان کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

لباس غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے۔ لباس ساتر ہو ٹخنوں سے اونچا ہو گھٹنوں سے نیچا ہو۔ تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام و ناجائز مثلاً مردوں کے لیے ریشم نہ ہو لیس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرط بھی منصوص ہیں لیکن لباس کی شکل لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ غیر منصوص ہیں، اسی میں امت کے لیے بہت سی سہولتیں ہیں اس کو امت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

مساجد

دوسری مثال مساجد کی ہے، مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظافت بھی مطلوب ہے اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے بلند ہوں اور ممتاز بھی ہوں مگر ان کی کوئی خاص طرز تعمیر مطلوب نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ مینارے اور گنبد بھی مساجد کے لیے شرائط میں نہیں تھے۔ ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے۔ الجزائر و مراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی پہلی مسجد (بیت اللہ) کا کوئی مینار نہیں

دعوت الی اللہ کے اسالیب

اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجئے، اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، اعلانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل معین نہیں، نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔

قل رب انی دعوت قومی لیلا و نہارا (حضرت نوح علیہ السلام نے (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کیا۔ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی)

ثم انی دعوتہم جہارا (پھر میں نے خوب پکار کر اور چیخ کر بھی ان کو بلایا)

ثم انی اعلنت لہم و اسررت اسرارا (پھر میں نے بالاعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی)۔

لہذا دعوتِ دین کا کام کرنے والے ہر فرد و جماعت کو اختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لیے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی سعی و جدوجہد کا جو طرز مناسب و مفید سمجھے وہ اختیار کرے اس میں کسی کو جائز و ناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ جائے جو شرعی طور پر منکر یا مقاصد دینیہ کے لیے مضر ہو۔

غیر منصوص اور منصوص کو خلط ملط کرنے کے مضرات

بعض عوامی حلقوں میں اس وقت دین کے ان دونوں حصوں کو خلط ملط کر دیا ہے منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور غیر منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور مختلف اداروں اور دعوتوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو سکتی ہے اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی، سینکڑوں تنازعوں کا سد باب ہو جائے گا۔ اور بہت سی ذہنی الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

چیزوں کی اصلی حیثیت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد صحیح

اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اور حلقوں کے درمیان تقابل، تصادم اور اختلاف کا کوئی بھی موقع باقی نہیں رہتا، فرق یورہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کون سی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہے اور کس سے وہ نتائج ومقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں

اپنے لیے پسند کو دوسروں پر نہ ٹھونسیے

دعوت الی اللہ کی محض شکل اور طرز کی افادیت وتاثیر کی وضاحت کی جاتی ہے لیکن کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جاسکتا، جیسے احکام قطعیہ اور نصوص قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت، اگر کسی خاص طریقہ کار کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول اور سلف صالحین کے متفقہ مسلک اور طرز فکر کے مخالف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے۔ ہم اپنے مخصوص طرز کار کو اگر بہتر اور حیاء دین کے لیے زیادہ مفید سمجھتے ہیں تو یہ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ ہم اپنے طرز کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ پیش کر سکتے ہیں لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار سمجھیں یا ان کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں جن کو انہوں نے اپنے تجربہ ومطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے اور ان کی افادیت، واقعات اور برسوں کے تجربہ سے ان پر واضح ہو چکی ہے اور کتاب وسنت اور سیرت نبویؐ اور حکمت دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لیے ان کے پاس شواہد ودلائل پائے جاتے ہیں تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی۔ ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کی تحقیر وتردید کرنا، ان کو غلط کار اور گمراہ سمجھنا غلط ہے اور خدمت دین اور دعوت الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنانے اور امور دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مترادف ہوگا۔

دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔ بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث وقرآن سے استنباط کیے جاسکتے ہیں۔ وہ اصولی طور سے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ملیں گے لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجربی ہیں، ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں۔

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔ اس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت محض اس بنا پر کرے کہ ہمارے بزرگ اس طرح کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا۔ اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا۔ کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سوچنے اور سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز دین کی خدمت اور احیاء

کے لیے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لیے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے۔

جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا، یہ بے اعتدالی ہے اور یہ روّیہ خطرناک ہے، اسی طرزِ فکر کے نتیجہ میں مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے۔ اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم نے اس کو مفید پایا ہے۔ پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہیئے لیکن اگر کوئی خاص طریقہ ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب بن جائے گا۔ اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی اور اس وقت کے ربّانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ اس کی اصلاح کے لیے جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح مقصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں، ایسے موقع پر حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا، فقہ فی الدین ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ۔

ع گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

دعوت و تربیت کے حریف عناصر

(انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تربیت اور ان کی مساعی جمیلہ کے لیے رحمٰن کی پشت پر تائیدِ ربانی اور ارادۂ الٰہی ہوتا ہے)

جہاں مضر اور ایک طرح سے حریف و رقیب کفر، الحاد و غفلت و معصیت ہے) جو ان کے پیروؤں کو ان کی دعوت کے برکات اور ان کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دیتی ہے۔ وہ بے روح رسمیت" بھی ہے۔ اوّل الذکر طاقتیں بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں جو باہر سے ہوتا ہے تو یہ اندرونی بیماری ہے جو گھن طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جو ان کی تعلیم و دعوت سے پیدا ہوتی ہے) اور اس کو اندر اندر کھوکھلا کر دیتی ہے، اس کے نتیجہ میں عقائد بے اثر اور اعمال، عبادات بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں وہ رسم کی طرح ادا کیے جاتے ہیں ان میں نفسی ماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہتی اور ان کی کیمیا اثری انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے یا بہت کمزور ہو جاتی ہے، یہ عموماً نتیجہ ہوتا ہے مؤثر و صحیح دعوت قدرت کے فقدان یا انقطاع کا، یا مؤثر اصلاحی و تربیت شخصیتوں سے محرومی کا، یا ایسے مواقع اور میدانوں میں صدیوں تک پیش نہ آنے کا جن میں شرکت کر کے ایمان میں تحریک پیدا ہوتی ہے، دلوں کے دور ہوتے ہیں اور نفس کی مخالفت کی طاقت اور ایثار و قربانی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اسی وقت کوئی ایسی دعوت و تحریک (الہام ربانی اور انتظام خداوندی سے جو اس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے) سامنے آتی ہے جو اس "رسمیت" پر ضرب لگاتی ہے، دلوں کا زنگ دور کرتی ہے امت کی صورت سے حقیقت اور "رسمیت" سے ایمان و احتساب کی کیفیت کی طرف لاتی ہے، اسلام میں تجدید و اصلاح کی تاریخ اور مجددین، مصلحین کے مستند تذکروں کے مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے

کہ ان کا نشانہ یہی "رسمیت" تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے اور دیمک کی طرح اس کے سر سبز و شاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے اور امت بعض اوقات

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ

(اور جب تم ان کے (تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں اور وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر غور اور توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم و ادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں۔)

کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہے وہ ہدایت خداوندی اور کتاب و سنت کے عمیق و مخلصانہ مطالعہ کے اثر سے کوئی ایسی دعوت یا طریق کار پیش کرتے ہیں جس سے اس "رسمیت" کا پنجہ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ جسم امت میں ایک نئی روح ایک نئی ایمانی کیفیت، رضاء الٰہی کے حصول کا ایک زندہ و تابندہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی قوتِ عمل بڑھ جاتی ہے۔ اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہوتی ہے اور بعض اوقات قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں۔ اور ایمان کی بروح پرور بادِ بہاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔

تاریخ دعوت و اصلاح کا واقعاتی المیہ

لیکن یہ بھی تاریخ اصلاح و دعوت کا واقعہ و المیہ ہے اور فطرت انسانی کی کارفرمائی کہ خود اس اصلاح و دعوت اور اس طریق کار میں مرور زمانہ سے "رسمیت" بے پاؤں داخل ہو جاتی ہے اور جو چیز رسم کو مٹانے و دل و دماغ کو جگانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح اندرونی جذبہ اور تازگی کھو دیتی ہے اور ایک "رسم" ضابطہ اور ROUTINE بن کر رہ جاتی ہے اور اسی کو خود ایک نئی اصلاحی دعوت اور ایک طاقتور شخصیت کی ضرورت پیش آتی ہے جو اس خواب آلودہ اور لکیر کے فقیر نظام اور طریق کار کی اصلاح کر دے اور اس میں جو بدعات مفاسد غلو اور جمود پیدا ہو گیا ہے اس کو توڑے اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب و سنت سے ماخوذ اور اصول و مقاصد کے مطابق ہو، معاشرہ کی "رسمیت" کو دور کرے اور ایمان و ایثار اور قوتِ عمل پیدا کرے۔

اسی صورت حال کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس سے بڑا سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔

راقم السطور کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں جلد جلد دیمک لگ جاتی تھی، اور قیمتی کتابیں تلف ہو جاتی تھیں وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں، ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتب خانہ میں رکھ دی جائے تو دیمک نہیں لگے گی۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی لیکن ان کی حیرت و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے

ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی ہڈی میں خود دیمک لگ گئی ہے۔

نبی، مجدّد اور مصلح

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدّد اور ایک مصلح ہوتا ہے نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی ہے اور اس کی ہدایت حاصل کیے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اس میں کسی قسم کی مداہنت یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے لیکن مجددین اور مصلحین کا معاملہ یہ ہے۔ ہر مجدد اور ہر ربانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے۔ مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات بڑھیں گے اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں لہذا اس کے اثر سے انفاق و ایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔

ایک تیسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی کے معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے تو اس سے تعلق وابستگی خاص طور سے اس میں موثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقہ کار پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم لیکن مجدد و مصلح کا معاملہ یہ نہیں۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی سے ہوتی ہیں لیکن نجات پر منحصر نہیں ہوتی۔

امت میں اختلافات اور ہمہ جہتی اصلاح کا ادعا

ایک بات یہ بھی جاننی چاہیئے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اور اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت و تحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کر سکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کر سکتی ہے ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کر سکتی ہے کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعے سے متاثر کیا جا سکتا ہے اسی طرح واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول اور ہر حالت میں کامیابی اس حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بہت سے قابل قدر ہیں اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص اسی مخصوص طرز پر کام نہ کرے جس کو اس نے اختیار کیا ہے حالانکہ عمومی اصلاحی وانقلابی تحریکوں اور دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے میں بٹھائی جاتی ہے ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے زیادہ ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیئے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ

(بقیہ ص۔۔ پر)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۟

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

عالم اسلام

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

بوسنیا کے مظلوم مسلمان

اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کے اہم مطالبات
ایک جائزہ تبصرہ اور متفقہ لائحہ عمل

پاکستان میں اسلامی ممالک کی تنظیم کے وزراء خارجہ کی ۲۱ ویں کانفرنس نے بوسنیا کی صورت حال پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے متفقہ طور پر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے ساتویں باب کی شق ۴۲ کے تحت سربوں کے خلاف طاقت کے استعمال کی فوری طور پر منظوری دے ۔ اس کانفرنس نے سرب فوجوں کو ہر جانب سے اسلحہ کی فراہمی پر مکمل پابندی ۔ ان کے ہتھیاروں کو مؤثر بین الاقوامی کنٹرول میں دینا ۔ بوسنیا کے مسلمانوں کو اپنے ذاتی دفاع کے لیے فوری طور پر اسلحہ فراہم کرنا ۔ سربیا کی مکمل اقتصادی ناکہ بندی ۔ اور بوسنیا کے مسلمانوں کو اس وحشیانہ مظالم سے پہنچنے والے نقصان ادا کرنا بھی اپنے مطالبات میں شامل کیا ہے ۔ اس کانفرنس نے تمام اسلامی ممالک سے بھی مطالبہ کیا ہے کہ وہ فوراً سابق یوگوسلاویہ سے اقتصادی اور تجارتی تعلقات منقطع کریں ۔ کانفرنس نے سربوں کی جارحیت سے نمٹنے کے لیے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس بلانے پر بھی زور دیا ہے (روزنامہ آواز لندن ۲۸، اپریل ۹۳ء)

اس وقت یورپ کے وسط میں واقع ملک بوسنیا انتہائی تکلیف دہ مراحل سے گذر رہا ہے ۔ بوسنیا کے مسلمانوں پر سربی اور کروشیائی فوجوں کی طرف سے مسلسل حملے ہو رہے ہیں ۔ اقوام متحدہ کا بنایا ہوا امن پلان نیز سرب رہنماؤں نے مسترد کر دیا ہے ۔ اور امن پلان کے کرتا دھرتا [illegible] امید ہو کر واپس آچکے ہیں ۔ ۲۷ اپریل کی صبح سے سربیا کی اقتصادی و تجارتی ناکہ بندی کے باوجود مسلمانوں پر بمباری جاری ہے ۔ ان کے مکانات مسمار کیے جارہے ہیں ۔ ان کی عورتوں کو بے آبرو کیا جا رہا ہے ۔

بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف سرب فوجوں کے وحشیانہ مظالم بہت کھ[illegible]ر سامنے آچکے ہیں ۔ برطانیہ اور اقوام متحدہ کے فوجی اپنی آنکھوں سے اس ظلم و ستم کو دیکھ رہے ہیں ۔ لیکن انہیں یہ حق نہیں کہ مسلما[illegible] کے خلاف ہونے والے اس وحشیانہ مظالم کو روک سکیں ۔ مظلوم مسلمانوں کا ایک جم غفیر [illegible] ([illegible] T5)

شہر میں موجود ہے یہاں کے مسلمانوں سے اقوام متحدہ نے ہتھیار لے لیے ہیں اور ان کی حفاظت کے لیے کینیڈا کے ایک سو پچاس فوجی مقرر ہیں لیکن انہیں بھی یہ حق نہیں دیا گیا کہ سرب فوجوں کے حملے کے جواب میں کوئی کاروائی کر سکیں

برطانوی اخبارات کی ایک رپورٹ کے مطابق بوسنیا کے مسلمانوں کی نشاندہی پر برطانوی فوجوں نے ایک گاؤں کا مشاہدہ کیا۔ انہیں پتہ چلا کہ پورا گاؤں تباہ کر دیا گیا ہے۔ مکانات اور جانور نذر آتش کیے جا چکے ہیں۔ انہیں ایسے مکانات دیکھنے کا موقع بھی ملا جہاں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی جلی ہوئی لاشیں تھیں۔ برطانوی فوجی سربراہ نے ان جلی ہوئی لاشوں کا مشاہدہ کیا اور بتلایا کہ باپ اور بچے کو گھر کی سیڑھیوں پر گولی کا نشانہ بنایا گیا جب کہ ماں اور دوسرے بچے کو زندہ جلا دیا گیا ہے۔ برطانوی فوجی سربراہ نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے بتلایا کہ یہ منظر انتہائی ناقابل برداشت تھا۔ سربی اور کروشیائی فوجوں نے یہ عمل عمداً کیا ہے۔ اور جس نے بھی ایسی حرکت کی ہے وہ سخت (SWINE) بدبخت اور ذلیل و خبیث انسان ہے۔

برطانوی اخبارات اور T-V کی ان رپورٹ سے ان المناک واقعات کی جس انداز میں نشاندہی ہو رہی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم اقلیت کے خلاف یہ جارحیت ایک منظم منصوبے کے تحت ہو رہی ہے۔ گذشتہ دنوں اسکائی نیوز (SKY NEWS) نے اپنی (EXCLUSIVE) رپورٹ میں بتلایا کہ بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف سرب فوجوں کو روس کی فوجوں کی بھی حمایت حاصل ہے۔ اور کئی روسی فوجی بنفس نفیس اس جارحیت میں شامل ہیں۔ جو سرب فوجوں کو مکمل تربیت دیتے ہیں۔ روسی فوج کے ایک رہنما نے بتلایا کہ سرب فوجوں کے ساتھ ہماری معاونت کی وجہ زبان اور کلچر کا اتحاد ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں اسلام کے مقابلے میں سربوں کی حمایت وقت کا تقاضا ہے۔

ان حالات میں اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کا متفقہ مطالبہ کہ سرب فوجوں کے خلاف طاقت کا استعمال بہت ضروری ہے اور اسلامی ممالک بوسنیا کے مسئلہ پر ایک ٹھوس، جامع اور مؤثر اقدامات سے کم کسی چیز پر مطمئن نہیں ہوں گے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

وزراء خارجہ کا یہ اجلاس اور اس کا یہ بین الاقوامی مطالبہ ایک مؤثر مطالبہ ہے۔ امریکہ اور یورپ کی حکومتیں اسے آسانی سے نہیں ٹال سکتی۔ امریکہ کے صدر بل کلنٹن اس بات کا عندیہ دے چکے ہیں کہ حالات "طاقت کے استعمال" کی طرف جا رہے ہیں۔ برطانیہ کی سابق وزیر اعظم مسز تھیچر بھی کھلے عام کہہ چکیں کہ بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف یہ وحشیانہ مظالم یورپی حکومتوں کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہیں اور یورپ کی خاموشی شرمناک ہے۔ مسز تھیچر نے مسلمانوں پر سے اسلحہ کی پابندی ختم کرنے پر بھی زور دیا۔ امریکہ کے اکثر رہنما بھی طاقت کے استعمال کو خارج از امکان قرار دینے سے گریز کرتے ہیں سابق

امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ مسٹر لارنس نے سی این این کو انٹرویو دیتے ہوئے بتلایا کہ سرب فوجوں کے خلاف محدود تعداد میں حملہ امریکہ کے لیے درد سر بن سکتا ہے ان کی رائے میں امریکہ کو چاہیئے کہ وہ ایک بڑے دسیع پیمانے پر جارحین کی قوت کو ختم کردے ۹۳-۴-۲۷ امریکہ کے فوجی سربراہ بھی فضائی حملوں کی بھرپور کامیابی کی یقین دہانی کرا چکے ہیں۔ اور خود بوسنیا میں امن کا منصوبہ بنانے والے لارڈ اوون بھی اپنی کوششوں میں ناکامی کے بعد یہ موقف اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے کہ سرب کے فوجی ٹھکانوں کو نشانہ بنایا جائے۔ اور یورپی حکومتیں اس میں مداخلت کرے۔

سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ اور دیگر ملکوں کے رہنما سرب فوجوں کے خلاف طاقت استعمال کریں گے؟ اور ان کے فوجی ٹھکانوں کو نشانہ بنائیں گے؟ ہمارے نزدیک ان کا یہ اعلان زبانی جمع خرچ کے سوا اور کوئی معنی نہیں رکھتا اگر یہ لوگ اپنے اعلان میں مخلص ہوتے تو اقوام متحدہ سے اس کی اسی طرح منظوری لینے کی جلدی کرتے اور اسی پھرتی کا مظاہرہ کرتے جیسے عراق کے خلاف کرتے رہے۔ دنیا گواہ ہے کہ عراق نے کویت پر قبضہ کیا اور اس کے باشندوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا تو فوراً یہ طاقتیں حرکت میں آگئیں۔ ہر دو چار روز کے بعد اقوام متحدہ کا ہنگامی اجلاس ہوتا رہا۔ قراردادیں منظور ہوتی گئیں اور پوری قوت سے عراق کے فوجی ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ لیکن اب مسئلہ چونکہ کسی اسلامی ملک کا نہیں۔ پٹرول اور تیل کا نہیں۔ بلکہ ہم مشرب وہم مذہب عیسائیوں کا ہے۔ اس لیے اس میں مسلسل تاخیر کی جارہی ہے۔ اور مختلف حیلے عمل میں لائے جارہے ہیں۔ یہ حالات صاف طور پر اقوام مغرب کی بدنیتی اور بددیانتی کی دلیل ہیں۔

برطانیہ کے وزیر اعظم جان میجر کے نزدیک طاقت کا استعمال خطرناک صورت اختیار کرسکتا ہے ان کا کہنا ہے کہ سرب کے خلاف مؤثر ہتھیار ان کی اقتصادی وتجارتی ناکہ بندی ہے۔ اگر ان کی اس رائے کے پیچھے مسلمانوں کو کچلنے کی سازش نہیں تو انصاف کیجیئے کہ اب تجارتی ناکہ بندی کے باوجود مسلمانوں کی نسل کشی اور ان پر وحشیانہ مظالم میں کیوں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ کیوں ابھی تک مسلمانوں کے خون سے برابر ہولی کھیلی جارہی ہے۔ پھر یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ (۱) تجارتی ناکہ بندی میں وقت لگتا ہے اور (۲) آج کی دنیا میں خفیہ راستوں کی بھی کمی نہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ تجارتی واقتصادی ناکہ بندی اس وقت اپنا اثر دکھائے گی جب بوسنیا کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہوگی۔ کیا آج کا (بقول ان کے) تہذیب یافتہ دور اس بات کا متحمل ہوسکتا ہے؟

تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود ؎

جب مرچکے تو آئے ہمارے مزار پر پتھر پڑیں صنم ترے ایسے پیار پر

اقوام متحدہ کے کٹر عیسائی سیکرٹری جنرل بطروس غالی کا کام سوائے کاغذی قرار دادوں کے اور کچھ نہیں۔ ان سے جب بھی طاقت کے استعمال پر تبصرے کے لیے پوچھا گیا تو انہوں نے اسے خارج از امکان ہی قرار دیا۔ اور عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے انگولا صومالیہ۔ آذر بائیجان کے مسائل دلیل میں لاتے رہے کہ ہمیں صرف بوسنیا کے مسلمانوں کو نہیں دیکھنا بلکہ ان علاقوں کے لوگوں پر بھی توجہ دینی ہے۔ اور ان کے لیے بھی فکر کرنی ہے۔ گویا موصوف کے نزدیک بوسنیا کے حالات کوئی اتنے اہم نہیں کہ اس پر کچھ غور کیا جائے اور فوری طور پر مؤثر قدم اٹھایا جائے۔ موصوف کے انہی اقدامات اور برسرعام اعلانات نے سرب رہنماؤں کے جارحانہ حوصلے میں مزید تقویت پیدا کی ہے۔ اور مسلم اقلیت کے خلاف یہ طوفان بدتمیزی برپا کرنے کی کھلے عام چھٹی مل گئی ہے۔ موصوف کا یہ تجاہل عارفانہ ہر عاقل بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کو بہ بخوبی علم ہے کہ ان کے یہ مطالبات فوری طور تو تسلیم نہیں کیے جائیں گے، کیونکہ ان کی اپنی اتنی قوت نہیں کہ امریکہ اور یورپ پر اثر انداز ہوسکیں۔ نہ اسلامی ممالک کے درمیان وہ اتفاق واتحاد ہے کہ جس کی بنا پر دیگر اقوام سے دو ٹوک بات کی جائے۔ اس لیے ہم سب سے پہلے اسلامی حکمرانوں سے پر زور درخواست کرتے ہیں وہ اپنے درمیان اتحاد واتفاق کی وہ فضا پیدا کریں اور ایک ایسی قوت بن کر ابھریں کہ دوسری قوموں کو ان کا موقف بآسانی مسترد کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ لیکن اس وقت جس اتفاق رائے سے مطالبہ کیا گیا ہے کم ازکم اسے تو پوری جرأت کے ساتھ پوری دنیا کے سامنے رکھیں۔ اس کی منظوری کے لیے جدوجہد کریں۔ عیش پسندی اور آرام طلبی کے جملہ ذرائع بتدریج کمزور کریں۔ اقوام متحدہ پر دباؤ ڈالیں۔ اور ان تمام قرار دادوں کو عملی جامہ پہنائیں۔ یہی ایک راستہ ہے جس سے بوسنیا کے مسلمانوں کے جان و مال عفت وعصمت اور ان کے گھروں کی حفاظت ہوگی۔ اور بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کو سر اٹھا کر چلنا نصیب ہوگا۔

نہیں اقبال نا امید اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

بقیہ ص ۱۲ سے

راستہ سے آجائیں۔ اپنے طریق کار کو مناسب طریقہ سے ان کے سامنے اکثر وبیشتر پیش کرتے رہنا چاہیئے۔ لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں دین کے دوسرے کاموں اور دینی واصلاحی مساعی کی نفی اور تحقیر ہوتی ہو اور اخلاص سے کام کرنے والوں کی ہمت شکنی ہوتی ہو۔

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مظلوم بوسنیا

اقوام متحدہ اور عالم اسلام

بسنیا میں ظلم کی یہ گرم بازاری تو دیکھ — عالم تہذیب کی یہ "نرم گفتاری" تو دیکھ
مقتل مسلم ہے گویا بسنیا کی سرزمیں — یورپ عیار کی دیرینہ مکاری تو دیکھ

مسلم خوابیدہ وہ تیری حمیت ہے کہاں
چشم غیرت وا بھی کر غیروں کی عیاری تو دیکھ

کس سکوں سے ہو رہا ہے اُف مسلمانوں کا خوں — بربریت کا سماں یہ رنگ تاتاری تو دیکھ
جا بجا لاشیں پڑی ہیں ہائے بے گور و کفن — بستیاں ویران ہیں یہ بے رحم بمباری تو دیکھ

مجلس اقوام ہے بے دست و پا سربوں کی ضد
آسماں برسا لہرا یہ مسلم آزاری تو دیکھ

عالم اسلام ہے اب زلف یورپ کا اسیر — قوم و ملت شرع و دیں سے ایسی بیزاری تو دیکھ
روح ایوبی ہے مضطر یا خدایا الاماں — اپنی بیداری بھی دیکھ اوروں کی تیاری تو دیکھ

یہ فراوانیٔ دولت اور یہ دست سوال
اہل ایماں کی ذرا یہ خوئے خودداری تو دیکھ

خاک و خوں میں اب تلک غلطاں ہے یہ ارض عراق — اتحادی فوج کی وہ "برق رفتاری" تو دیکھ
ملت بیضا کے غم میں تا بکے یہ اشک خوں — اے دل ویران فانی اپنی لاچاری تو دیکھ

(۲۱ مئی ۱۹۹۳ء)

ڈاکٹر سرور اکبر آبادی
صدر شعبہ ار، و گورنمنٹ اسلامیہ کالج کراچی

فلسفہ حج ــ اور فضیلت و اہمیت

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور دینِ فطرت ہے، اسلام کے لیے فرمانِ باری تعالیٰ ہے
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام "بے شک خدا کے نزدیک اصل دین اسلام ہی ہے۔" اسلام کے لغوی معنیٰ اطاعت و فرمانبرداری، امن و آشتی اور عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کے ہیں۔ یہ دین ایسا دین ہے جو ہماری روزمرّہ کی زندگی کے لیے ایک ایسا سائنسی حل (SCIENTIFIC SOLUTION) پیش کرتا ہے جس سے ہمارے تمام مصائب و نوائب اور مسائل و مشکلات حل ہو سکتے ہیں۔ یہ ہماری تہذیبی و تمدّنی زندگی کے لیے بھی وہ تمام راہیں استوار کر دیتا ہے جو ہمیں عروج و ارتقا، فروغ و بقا اور ترقی و ترفہ کی اعلیٰ و ارفع منازل پر فائز کر سکتی ہیں۔

اسلام کا ظہور انسانیت کے لیے اور خصوصیت سے تعلیم و تعلم اور تہذیب و تمدّن کو عروج و کمال تک پہنچانے کے لیے نہایت ہی خوش آئند ثابت ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا میں جہالت و بربریت اور ضلالت و گمراہی کا دور دورہ تھا، جب اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا اظہار کرنا مقصود ہوا تو اس نے ایک اُمّی کے ذریعہ سے ہی تمام عالم کو علمِ لدُنّی سے فیضیاب فرمایا۔
بقولِ شاعر۔ ؎

ہوا اللہ کو منظور جب اعلان وحدت کا
کیا سرسبز تپتی ریت پر پودا نبوّت کا،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسّل سے ہی ہم نے ذاتِ باری تعالیٰ کو پہچانا۔ آپؐ ہی نے ہمیں شرفِ انسانیت سے سرفراز فرمایا۔ آپؐ ہی کی آمد سے ایک ایسا انقلابِ عظیم رونما ہوا جس کی مثال بھی تاریخِ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی ایک اُمّی کی بدولت اہلِ عرب نے تمام علوم و فنون کا احیاءٔ کر کے اہلِ عالم کو عروج و ارتقا کی راہیں دکھائیں۔ آپؐ کی درس گاہِ عالیہ سے جو نفوسِ قدسیہ فیضیاب و

کامیاب ہوئے انہوں نے دنیا ہی پر نہیں بلکہ دنیا والوں کے دلوں پر حکومت کر کے اُن کو مسحور و مسخر کر لیا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی و روحانی تعلیمات اور سیرت و کردار کا ہی صدقہ تھا کہ دنیا کی اِن دیندار اور جامع الصفات اور مجمع الحسنات ہستیوں میں انسانی ہمدردی و درد مندی، اخوت و مساوات صبر و تحمل، عزتِ نفس، وسعتِ قلب و نظر اور صداقت و حق گوئی کے جوہر نمایاں ہوتے چلے گئے۔ اسلام سے قبل دنیا قوم و نسل، آقا و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ، ذات پات اور اونچ نیچ میں مبتلا تھی اسلام ہی نے ان برائیوں کے خلاف آوازِ حق بلند کی اور اِس دنیائے دنی کو مسکنِ امن و امان، منزلِ صلح و آشتی اور محورِ سکون و راحت بنا دیا۔ بقولِ شاعر ؎

یہ رحمت جو دنیا پہ چھائی ہوئی ہے
پئے دینِ اسلام آئی ہوئی ہے

اسلام نے انسانی اقدارِ حیات اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے جو خدمات آج سے چودہ سو سال پہلے انجام دی تھیں اور جیسا کامل و اکمل اور مکمل ضابطۂ حیات پیش کیا تھا وہ انسان کی فطرت کے عین مطابق تھا۔ آج تک کا ترقی یافتہ انسان اُس سے بہتر تو کیا اس جیسا ضابطۂ حیات بھی مرتب نہ کر سکا اسلام کا تصورِ عبادت یہ ہے کہ جن و انس کی حیاتِ مستعار کا کوئی بھی لمحہ و دقیقہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے خالی نہ ہو۔ انسان کی روحانی بالیدگی اور تقویٰ و پرہیزگاری اور وسعتِ قلب و نظر کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ اپنے شعور و ادراک اور عقل و خرد سے کام لے کر اپنے اندر صفاتِ الٰہیہ پیدا کرنے کی کوشش کرے اور جب وہ اِس کوشش میں کامیاب ہو جائے گا تو پھر اُس مقام پر فائز ہو جائے گا جہاں علامہ اقبال کے بقول عالم کچھ یوں ہوتا ہے کہ۔

ع "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"

لیکن ایسا اُسی وقت ممکن ہے جب اُس کا تشخص اور سیرت و کردار مکمل اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا ہو، وہ ارکانِ اسلام کا حد درجے پابند ہو اور صحیح معنوں میں مومن و مسلمان کہلانے کا مستحق بھی ہو۔ ارکانِ اسلام کے سلسلے میں بخاری و مسلم شریف کی یہ حدیث شریف بہت مشہور ہے۔

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً عبده ورسوله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة والحج وصوم رمضان۔

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔

۱ "اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے، اس بات کی شہادت کہ اللہ کے

سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

مذکورہ ارکانِ اسلام میں سے آج کے مقالے کا عنوان صرف حج بیت اللہ ہے۔ حج کے لغوی معنی تو زیارت کا قصد و ارادہ کرنے کے ہیں لیکن شریعت اسلامیہ میں اُس عبادت کو حج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں انسان کعبتہ اللہ کی زیارت کا ارادہ اور قصد کر کے گھر سے نکلتا ہے۔

حج بیت اللہ کی روایت بہت قدیم ہے، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ "بیت المقدس" سے بھی قدیم ہے کعبتہ اللہ شریف، بیت المقدس سے تقریباً نو سو پچانوے سال قبل اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً" دو ہزار سال پہلے تعمیر ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم وایما سے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا اور عرب کے دور دراز علاقوں اور اطراف و جوانب سے لوگ جوق در جوق اس مقام پر "حج" کے لیے آنے لگے۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا　　خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا

ازل میں مشیّت نے تھا جس کو تا کا　　کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدا کا

"زاد المعاد" میں رقم ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ۹ھ ہجری میں حج فرض ہوا، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال یہ فریضۂ حج صرف اس لیے ادا نہیں فرمایا کہ اہلِ عرب اُس وقت برہنہ ہو کر طواف کے مراسم ادا کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ کعبہ میں اُس سال یہ اعلان کرایا کہ۔

"آئندہ سال سے کسی بھی برہنہ شخص کو طوافِ کعبہ کی اجازت نہیں ہو گی۔"

مزید یہ کہ اہلِ عرب "حج" کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح وتہلیل کے بجائے اپنے آباواجداد اور اسلاف کے کارناموں کو بڑے فخر ومبادرت کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حج کے موقع پر یہ آیت نازل فرمائی۔

فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکرا (سورہ بقرہ)

ترجمہ: پھر جب مناسک حج ادا کر لو تو خدا کا ذکر کرو، جس طرح اپنے آباواجداد کے کارناموں کو فخریہ بیان کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔"[1]

حج کے موقع پر اہلِ عرب خانۂ کعبہ کا طواف تو کرتے تھے مگر "سعی صفا و مروہ" نہیں کیا کرتے تھے اسی بنا پر آیتِ مذکورۂ بالا نازل کی گئی۔

حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضۂ رسولؐ کے سلسلے میں آپؐ کی یہ حدیث بھی ہے۔
مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ۔

یعنی جس نے میرے روضہ کی زیارت کی اس کی شفاعت مجھ پر فرض و واجب ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآنِ عظیم میں صاحبِ استطاعت لوگوں کے لیے حج کا حکم صادر فرمایا ہے حج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ یہ استطاعتیں دونوں ہی قسم کی ہونی لازمی ہیں یعنی جسمانی اور مالی، حج میں بھی انسان کا ذوق و شوق اور جذبۂ حبِّ رسولؐ ہی کارفرما ہوتا ہے جو سچا عاشقِ رسولؐ ہوگا وہ تو کسی نہ کسی صورت سے وصلِ حبیب خدا کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہی رہے گا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کروڑوں عشاق کو اس درِ اقدس تک رسائی نصیب ہوتی رہتی ہے مگر اُن میں "شمع رسالتؐ" کے چند ایسے پروانے بھی ہیں جو اُن پر اپنی جان نچھاور کرکے زندۂ جاوید ہوگئے ہیں۔ اِن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدین، اصحابِ عشرۂ مبشرہ۔ آئمہ کبار، اولیائے کرام، صوفیائے عظام اور بزرگانِ دین تو خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں ہی مگر انہی ہستیوں میں سے ایک عاشقِ رسولؐ مولوی کرامت علی شہیدیؒ بھی تھے انہوں نے بڑے ہی جذب و کیف اور سوز و گداز کے عالم میں ایک قصیدہ رقم کیا اور قصیدے کا یہ شعر تو اُن کا وظیفہ بن گیا تھا۔

؎ تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کی جا بیٹھوں
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

اور اُن کی یہ دعا مقبول بھی ہوئی کیونکہ جب وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر چکنے کے بعد روضۂ رسولؐ پر حاضری کے لیے بیتاب و بے قرار تھے، اِسی عالم اضطراب و اضطرار میں نعت کا یہ شعر بھی اُن کی روحِ رواں کا نغمہ بنا ہوا تھا راستے ہی میں ایک ایسا مقام آیا جہاں سے روضۂ اقدس صاف نظر آرہا تھا بس پھر کیا تھا شمع رسالتؐ کے اِس پروانے کی آشفتگی، شیفتگی اور ربودگی بھی اچانک بڑھ گئی اور یہی شعر پڑھتے پڑھتے اُن کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ شہیدیؒ مدینہ منورہ میں ہی جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں اسی طرح کے عاشقانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں سے بیشتر آپ کے علم میں بھی ہوں گی یہاں بخوفِ طوالت صرف اِسی ایک

مثال پر اکتفا کر رہا ہوں۔

حج کے موقع پر ہمیں کثرت میں بھی وحدت کا جلوہ نظر آتا ہے کیونکہ تمام مسلمانانِ عالم اس وقت ایک ہی لباس میں، ایک ہی مقام پر، ایک ہی آقا کے حضور اطاعت و فرمانبرداری کے لیے حاضر رہتے ہیں جس سے ہمارا علم الیقین بھی عین الیقین میں ہی نہیں بلکہ حق الیقین میں بدل جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں واحد و یکتا اور ایک ہے، اسی طرح اُس کے دین پر ایمان و ایقان رکھنے والے بھی ایک ہیں، اُن کا محور و مرکز بھی ایک ہے۔ ان کا مقصد و منشا بھی ایک ہے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے بھی کیا خوب فرمایا ہے ؎

ایک ہی سب کا نبیؐ ، دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک

حج بیت اللہ شریف ایک جامع العبادات رکنِ اسلام ہے کیونکہ اس میں توحید و رسالتؐ کی گواہی دینے کے پہلو بہ پہلو انسان دل سے تصدیق بھی کرتا اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے۔ نماز اس اعتبار سے کہ دورانِ حج طواف کے وقت ہر ایک کے لب پر ایک ہی صدا لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك کے الفاظ ہوتے ہیں یہ وہ موقع ہوتا ہے جب قلب و روح اور فکر و نظر میں یادِ الٰہی کے سوا کوئی اور دوسری بات ہوتی ہی نہیں۔ زکوٰۃ راہِ خدا میں مال و دولت خرچ کرنے کا نام ہے۔ ہر زائرِ حرم پر قربانی کرنا بھی فرض ہے، اس طرح یہ عبادت بھی حج میں ادا ہو جاتی ہے حج میں روزہ کی روح تو کارفرما ہوتی ہی ہے کیونکہ مقصد و منشائے حج تزکیۂ نفس، تقویٰ اور تقدسِ روح ہی ہوتا ہے۔ یہ سب عبادات اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبؐ کی خوشنودی کے حصول اور اُس کی رضا جوئی کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔

بقول پروفیسر سید عطا اللہ حسینی۔

"حج کا ہر عمل خیر کی روح ہے، یہ توبہ بھی ہے، استغفار بھی، تقویٰ بھی ہے۔ اور طہارت بھی، عاجزی بھی ہے اور انکساری بھی، حقوق اللہ کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق العباد کی حفاظت بھی، ترکِ آرام بھی ہے اور بھاگ دوڑ بھی، ملتِ اسلامیہ کا اتحاد بھی ہے اور ایک عالمی کانفرنس بھی، صبر و ضبط بھی ہے اور شکرِ نعمت بھی، تضرع بھی ہے اور مناجات بھی، محبتِ الٰہی بھی ہے اور عشقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی"۔

اسی طرح علامہ محمد یوسف بنوری بھی حج کے سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

وہ نماز اور خصوصاً باجماعت نماز اور اذان و اقامت میں وقت کی پابندی کے ذریعہ امت محمدیہ میں ایک خاص ربط و ضبط اور نظم و نسق کے ساتھ کیسے کیسے فوائد و برکات کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ روزہ میں ضبطِ نفس اور پاکیزگیٔ روح کی کیسی نتیجہ خیز اور اثر انگیز تدبیریں کارفرما ہیں۔ زکوٰۃ میں فقراء و غربا اور محتاجوں و مساکین کی حاجات و ضروریات کی تکمیل کے لیے کیسا عجیب و غریب نظم پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح حج بیت اللہ میں بھی اصلاحِ نفس اور اجتماعی تعاون کی تدبیریں، تربیتِ خلائق اور ہدایت عالم کی مصلحتیں مضمر ہیں۔ تعظیم شعائر اللہ اور تجلیات الٰہیہ کے مرکز بیت اللہ کے طواف میں مشاعر مقدسہ کی تعظیم و تقدیس اور عرفات کے روح پرور اجتماع میں اسرار و حکم کے جو رموز ہیں ان کے غور و فکر میں عقل حیران ہے۔"

کعبۃ اللہ کی اہمیت و افادیت اور عظمت و فضیلت کے سلسلے میں اتنا عرض کر دینا ہی کافی ہے کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ کے دو برگزیدہ پیغمبروں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اسی کعبۃ اللہ کے متعلق اللہ تعالیٰ خود سورۂ بقرۃ میں ارشاد فرماتا ہے

وَاذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی (البقرۃ ۱۲۵)

ترجمہ: "اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔"

اللہ تعالیٰ کے اس عظیم گھر کی تعمیر کرتے وقت ان دونوں پیغمبران کرام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو دعا فرمائی اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے ہمارے رب ہمارے اس عمل کو قبول فرما، یقیناً تو سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے، مالک ہمیں اپنا سچا فرماں بردار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسا گروہ پیدا کر دے جو تیرا فرمانبردار ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلا اور ہم پر نظر کرم رکھ، بے شک تو نظرِ کرم فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔" (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۸)

کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام یہیں آباد ہو گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰؑ کی نوید کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبول بخشا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت اسی سرزمین عرب میں ہوئی اللہ تعالیٰ نے اسی کو مسلمانوں کا قبلہ و کعبہ اور محور و مرکز قرار دیا اور مسلمانانِ عالم کو اسی کی سمت منہ کر کے

ادائیگی نماز کا حکم فرمایا۔

مناسک و مراسم حج کو اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس کی ایک ایک رسم سے اطاعت و فرمانبرداری اور عبودیت و بندگئ حق تعالیٰ کا جو درس عظیم ملتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت خدائے واحد کی وحدانیت و حقانیت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیاں و وفا شعاریاں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

غرض یہ کہ اصلاحِ نفس، تزکیۂ باطن، بالیدگئ روح اور تعمیر سیرت و کردار کے لیے حج بیت اللہ کی اہمیت و افادیت اور عظمت و فضیلت مسلم ہے۔ "حج" ایک ایسی عبادت ہے جو انسان کی انفرادی و اجتماعی، دنیوی و آخروی دونوں ہی زندگیوں کے لیے باعثِ سعادت و برکت اور رحمت و رافت ہے۔ یہ بندے کو اس کے آقا کے حضور بہ صد عجز و نیاز و عقیدت و محبت سرِ تسلیم خم کرنے کی تعلیم دیتا ہے اسی بات کی طرف علامہ اقبالؒ نے کس خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے۔ ؎

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سب ہی ایک ہوئے

بقیہ ص۱۵ سے

اس پر آپ کا نام نامی تحریر ہے۔ یہ کتنی بے حرمتی اور بے ادبی ہے کہ نالی میں پڑا ہوا ہے، میرے اللہ کا نام ہے جب رات کو سویا تو جاہل مطلق تھا، صبح اٹھا تو بڑا عالم بن چکا تھا اور صبح عربی میں باتیں کرنے لگا، لوگوں نے کہا کہ کیا ہوا، تو فرمایا امسیت کردیًا واصبت عربیًا تو علم اس تواضع اور احترام و ادب سے حاصل ہوتا ہے، اس علم کا تعلق ادب و احترام سے ہے۔

آخر میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے تمام اساتذہ و طلبہ و حاضرین و سامعین، دارالعلوم کے خدام و متعلقین، ملک اور بیرون ملک کے معاونین و مخلصین اور عالم اسلام کے لیے دعا فرمائی۔

عالم میں انتخاب

مصنوعی اَجزا سے تیار کی جانے والی
اَشیاءِ خورد ونوش کے منفی اثرات سے آگاہی کے
بعد نسلِ اِنسانی ایک بار پھر فطرت کے آغوش
میں پناہ تلاش کر رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قدرتی اجزا کا مُرکّب
رُوح افزا اپنی فطری تاثیر، منفرد ذائقے اور
اعلا معیار کی بنا پر اقوامِ عالم میں
روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔

همدرد
انٹرنیشنل

Adarts-HRA-5/92

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی
اٹک شہر

احسان و سلوک میں

حضرۃ مدنی قدس سرہٗ العزیز کا مقام رفیع

۲

آپ نے مدینہ منورہ کی روحانی فضا اور ملکوتی سرزمین میں سلوک کی منازل طے کرنے اور ان پر مداومت کی جو سعادت حاصل کی ہے بگراحقر کے خیال میں دوسرے کسی کو کم ہی نصیب ہوئی ہوگی۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضرت گنگوہیؒ سے خط و کتابت رہی جو اکثر مسائل سلوک پر مشتمل تھی مگر وہ سارے خطوط آپ کی اسارت مالٹا کے زمانہ میں ترکی حکومت نے ضائع کر دیئے تھے۔ (مکتوبات ج ۴ صہ ۱۱۵)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سلوک

اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تمام طریقوں میں مقام رفیع کے مالک تھے مگر اپنے اکابر کی اتباع میں آپ کے حسب تحریر:۔

ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالےٰ نے نہایت اعلیٰ اور اشرف طریقہ اختیار فرمایا ان کا ظاہر نقشبندی ہے اور باطن چشتی ہے ؎

بلبل نیم کہ نعرہ زنم درد سر کنم　　قمری نیم کہ طوق بہ گردن در آورم
پروانہ نیستم کہ سوزم بگرد شمع　　شمعم کہ جاں گدازم و دم برنیاورم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت کہ " ان لصدرہ ازیز کازیز المرجل من البکاء او کما قال کیا اسی کی شہادت نہیں دیتی میں نے حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ ہمارے مشائخ چشتیہ کے تین دور ہیں اول طبقہ پر زہد غالب ہے دوسرے طبقہ پر عشق غالب ہے اور تیسرے طبقہ پر اتباع سنت غالب ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ صہ ۶۶، ۶۷)

اس ظاہر و باطن کی تشریح حضرتؒ نے دوسرے مکتوب میں یوں فرمائی:۔

اگرچہ سلوک چشتیہ میں چست و چالاک اور گامزن ہیں مگر عملی حیثیت سے حضرت مجدد کے قدم بقدم ہیں۔ (ص مذکور)

اسکی تقسیم یوں کی جاسکتی ہے کہ تزکیہ اور تربیت روحانی میں تو چشتیہ کی پیروی ہے مگر عملی حیثیت سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی ہے جو کہ نقشبندی تھے جس طرح آپ نے دین اکبری کا مقابلہ کیا، اسی طرح ہمارے اکابر نے فرنگی حکومت سے برصغیر کو آزاد کرانے میں مجددی کردار ادا کیا۔

حضرت مجدد اور مزار مجدد سے اکابر کا تعلق یہ ہے کہ:

آپ کے مرید خاص حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نے آپ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور پھر کچھ دن وہاں قیام کی اجازت طلب کی تو حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا:۔

"مزار مجدد پر حاضر ہو تو کچھ اس ناکارہ کے واسطے بھی خیال کرنا اور زبانی مزار مبارک پر یہ نشان نام سلام عرض کرانا"۔ (مکاتیب رشیدیہ صد ۳۱)

اور دوسرے مکتوب میں وہاں قیام کی اجازت سے سرفراز فرماتے ہوئے فرمایا:۔

"قیام بر مزار حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بہت عمدہ ہے حق تعالیٰ آپ کا مقصد حل فرمائے"۔ (صد ۹)

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے سلوک و احسان کی اس سرگزشت سے ظاہر ہے کہ آپ کا سلسلہ، سلسلہ چشتیہ صابریہ اور نقشبندیہ مجددیہ تھا۔

۱۳۶۱ھ میں جبکہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ اسیر فرنگ تھے احقر نے دس ربیع الثانی بوقت اذان نماز فجر مندرجہ ذیل خواب دیکھا:۔

"احقر مزار مجدد رحمۃ اللہ علیہ پر حاضر ہے اور ایک بہت بڑا اجتماع ہے حضرت کے مزار کا رنگ نسواری ہے جو کہ چمکدار پتھر معلوم ہوتے ہیں اور ان میں سوراخ ہیں جن میں سبز رنگ کی شاخیں ہیں اور ان پر گل نرگس کھلا ہوا ہے، احقر نے مزار کو بوسہ دیا اور ایک چھوٹے سے منبر پر پسا ہوا نمک پڑا تھا وہ بہت سا لے کر کاغذ میں لپیٹ لیا"۔

یہ خواب اپنے علاقہ کے ایک باخدا مرد درویش سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ:۔

"حضرت مدنی اس دور کے مجدد ہیں قبر سے مراد ان کی نظر بندی ہے اور پھول سے مراد انکی وہ برکات ہیں جن سے عالم اسلامی معطر ہو رہا ہے"۔

اور اس گناہ گار کو شرمندہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مدنی کے روحانی برکات مجددیہ سے تجھے بھی حظ وافر ملیگا۔

جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"انشاء اللہ تیری برکت سے حضرت مجدد کے فیوض و برکات پھیلیں گے" الخ
(مکتوب شیخ از قلم حبیب اللہ مدینہ منورہ)

چنانچہ مدینہ منورہ اٹھارہ سالہ قیام میں آپ پر جن انوار روحانیہ کی بارش ہوتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کئی بار سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف خواب میں حاصل ہوا اور چند مرتبہ عالم بیداری میں بے حجاب زیارت کا شرف حاصل ہوا جیساکہ ایک واقعہ آپ نے ذکر فرمایا:

"ایک روز ایک کتاب اشعار کی دیکھ رہا تھا اس میں ایک مصرعہ تھا ہاں اے حبیب رخ سے اُٹھا دو نقاب کو یہ اس وقت بہت بھلا معلوم ہوا میں مسجد شریف میں حاضر ہوا اور مواجہہ شریف میں بعد ادائے آداب وکلمات مشروعہ انہیں الفاظ کو پڑھنا اور شوق دیدار میں رونا شروع کیا۔ دیر تک یہی حالت رہی جس پر یہ محسوس ہونے لگا کہ مجھ میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم میں کچھ حجاب دیواروں اور جالیوں وغیرہ کا حائل نہیں ہے اور آپ کرسی پر سامنے بیٹھے ہوئے ہیں آپ کا چہرہ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔" (نقش حیات ج ۱ ص۱۰۱)

اعطاء خلافت کے بعد آپ نے بیعت طریقت کا سلسلہ کب سے شروع فرمایا یہ تاحال احقر کو معلوم نہ ہوسکا البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ قیام مدینہ منورہ کی کیفیت سے آپ کے چشتی صابری ہونے کے آثار ظاہر ہیں اور اس گناہ گار کے خیال میں برصغیر کو عیسائی حکومت سے نجات دلانے کی تڑپ اور جدوجہد یہ آثار مجددیہ میں سے ہے جن کا ظہور آپ کے محبوب دینی، روحانی علمی راہنما حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حجاز پہنچنے پر ہوا دنیا کے لوگ اسے سیاست کہیں یا فراست سمجھیں احقر کے نزدیک یہ تو مجددانہ نسبت کا عملی ظہور تھا جس کے لیے آپ اور آپ کے شیخ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہم مالٹا کے اسارت خانہ میں اسی طرح میں رہے جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قلعہ گوالیار میں نظر بند کیا گیا تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سالکانہ اور عارفانہ سرگزشت بیان کرنے کے لیے کئی دفاتر درکار ہیں جن کا خلاصہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ سفر وحضر، ریل اور جیل لیل ونہار بلکہ کوئی لحظہ ایسا نہیں گذرا کہ یاد الٰہی اور قرب مطلب سے دوری تو درکنار غفلت میں بھی نہیں گذری آپ منازل سلوک طے کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ چکے تھے جسے تصوف کی اصطلاح میں منتہی سلوک کہا جاتا ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ نے امداد السلوک میں فرمایا:

"مقام منتہی آنکہ بصحو وتمکین بود چنانکہ باید اجابت حق نماید و در شدت و فراخی ومنع وعطاء وفا وجفا ہر یک حال ماند خوردن وگرسنہ بودن او برابر و بیداری وخواب او یکساں باشد۔

واز حظوظ نفسانیہ فانی بودہ فقط حقوق ماندہ باشند بظاہر باخلق وبباطن باحق گردد واین جملہ از احوال فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم واصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین منقول است کہ

آں جناب عالی صلی اللہ علیہ وسلم اول در غار حرا خلوت فرمود و آخر کار دعوت خلق کرد و اگرچہ مشغول باخلق بودند مگر یک لمحہ از حق تعالی جدائی نہ نمودند و جلوت وخلوت برابر داشتند و اصحاب صفہ ہم در حال تمکین امراء و زرا رشدند کہ مخالطت در ایشاں اثر و ضرر نمے کرد"۔

(امداد السلوک صہ ۵۹)

یعنی سلوک واحسان کی انتہائی منزل جسے حصول مقصد کے ساتھ تعبیر کیا جا سکتا ہے وہ مقام عبدیت کا حصول اور رضاء معبود حقیقی کا مطلوب ہونا کسی کی مدح اور مذمت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اتباع سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں محو و سرگرم ہونا ہے جیسا کہ قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ نے سالہا سال کی ریاضت کے بعد اپنے مرشد حضرت حاجی صاحب نور اللہ قبورھما کو اپنی حالت تحریر فرمائی ۔

"حضور نے جو بندہ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے میرے دارین اس ناکس کے کیا حالات ہیں اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے کہ جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں بخدا سخت شرمندہ ہوں کچھ نہیں ہوں مگر جو ارشاد حضرت ہے تو کیا کروں چار و ناچار کچھ لکھنا پڑتا ہے حضرت مرشد من علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالبًا سات سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہوا ہے اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر گئے ہیں اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور احیاء سنت میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جاوے ۔

اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے کہ جذر قلب میں غیر حق تعالیٰ سے نفع و ضرر کا التفات نہیں واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے، لہٰذا کسی کے مدح و ذم کی پرواہ نہیں اور ذام و مادح کو دو رجانتا ہوں اور معصیت کی طبعًا نفرت اور اطاعت کی طبعًا رغبت پیدا ہو گئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یاد داشت بے رنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے"۔ (مکاتیب رشیدیہ صہ ۱)

حضرت مدنی کی ساری زندگی اسی لائحہ عمل کا عکس تھی تدریس علوم نبوت، اشاعت دین اسلام، عسر اور یسر میں راضی بہ رضا خالق حقیقی، ہجوم معتقدین، مسند حدیث، فرنگی کا جیل وغیرہا تمام حالات آپ کے قلب منور کو معبود برحق کی یاد سے غافل نہ کر سکتا تھا بقول مولانا ابوالکلام رحمۃ اللہ علیہ :-

"حضرت مدنی کا دل ہر وقت اللہ تعالی کی طرف جھکا رہتا ہے"۔

ساری سرگزشت مولانا

دریابادی کی مرتبہ کتاب نقوش و تاثرات میں مذکور ہے) البتہ ایک طریقہ ایسا تھا جس کی روشنی میں حضرت انکار نہ فرما سکتے تھے اور وہ خود اس گناہ گار کا تجربہ شدہ ہے جس کی مختصر سی کیفیت یہ ہے کہ مظاہر علوم سہارنپور کے زمانہ تعلیم میں تقریباً ہر جمعرات کو بعد از عصر حضرت کی زیارت یوں ہو جایا کرتی تھی کہ

یعنی ان کا مقصود حقیقی صرف اور صرف معبود حقیقی کی

رضا تھا جس کا لازمی اثر یہ ہے کہ اس محنت اور تگ و دو کے بعد بھی اپنے آپ کی نفی کی جائے اور کمالات اگر ہوں تب بھی ان کی نسبت معبود حقیقی اور موجود حقیقی کی طرف کی جائے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جو عریضہ اپنے حالات اور واردات کے بارہ میں تحریر فرمایا اسی کے آخر میں یہ ارقام فرمایا:۔

"تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے" (مکاتیب رشیدیہ ص۱)

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنے مکتوب گرامی میں فرمایا ہے:۔

"میرے محترم یہ سب لطائف وسائل اور ذرائع ہیں انوار وغیرہ بھی مقاصد اصلیہ نہیں ہیں وصل اور فراق بھی مقصد اصلی نہیں ہے ؎

وصال و قرب چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنائے،

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے درجہ پر کوئی آدمی نہیں پہنچ سکتا ان کی شان میں فرمایا جاتا ہے یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا (الفتح) معیت اور دوام حضور بڑی چیزیں اور انعام عظیم ہیں مگر مقصود اصلی رضائے خداوندی ہے اگر شاہنشاہ کی درباری اور حاضر باشی حاصل ہو جائے اور معاذ اللہ رضائے شاہی نصیب نہ ہو تو خسارہ ابدی ہے اور اگر رضائے شاہنشاہی حاصل ہو تو دوری مسافت اور غیر حاضری دربار کوئی چیز نہیں بسا اوقات مجرمین بھی دربار میں حاضر ہوتے ہیں مگر ان کی یہ حاضری خوش نصیبی نہیں سمجھی جاتی" (مکتوبات جلد ۴ ص۱۱۱)

شاید اسی لیے حضرت نے ارشاد و تلقین کی طرف زیادہ توجہ نہ دی حالانکہ آپ کی ذات عالی میں اس قدر جذب تھا کہ کوئی بھی اخلاص کے ساتھ دیکھ لیتا تو فریفتہ ہو جاتا تھا بلکہ ایسے عشاق کی تعداد کثرت سے موجود ہے کہ جو ان دیکھے جان نثاری کو فخر اور سعادت سمجھتے ہیں اگر حضرت مقام رضا اور مقام عبدیت پر فائز نہ ہوتے تو ان کے متوسلین کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہو جاتی مگر عجز و انکساری اور حقیقی تواضع نے اس طرف بہت کم توجہ کرنے کی مہلت

دی ہے آپ نے عقیدت مند کو جو ارشاد فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے :-

بات اُلٹی ، یار اُلٹا ، ہم اُلٹے ہر بات اُلٹی ہے کہ کر کیوں بنے

مخدوما ! مریدوں کا زیادہ ہونا اپنے نام لیوا اور تابعدار زیادہ سے زیادہ بنانا ، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہدایت کرنے کی جدوجہد عمل میں لانا ، مرشدان طرق اور اہل بیعت کا عظیم الشان مقصد ہے اور اس زمانہ میں تو اس مقصد کے لیے ایجنٹ نوکر رکھے جاتے ہیں ، بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں ، پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں اور زیادہ تعداد مریدوں کی بنائی جاتی ہے رجسٹروں میں ان کے نام درج کیے جاتے ہیں لہٰذا یہ تو میرے لیے بڑی خوشی کی بات ہونی چاہیئے کہ آپ اور آپ کے خاندان کے بہت سے عورت مرد میرے مرید ہو جائیں کم سے کم یہ فائدہ ضروری ہوگا کہ ہر طرف آپ لوگ میری تعریفیں کریں گے میرا نام مشہور اور روشن ہوگا مجھ کو آمدنی ہوگی اچھا اچھا کھانا وغیرہ ملے گا ، نذر نیاز آئے گی ، پھر میں کیوں انکار کر رہا ہوں؟ یہ آپ کی محبت ہی کی وجہ سے ہے اسی وجہ سے اپنا نقصان کرتا ہوں آپ اگر کسی کامل مرشد سے بیعت ہوں گے تو آپ کی وہ سچی رہنمائی کرے گا اور آپ کی دین اور دنیا کی بھلائی ہوگی اس سے آپ کو وہ فوائد حاصل ہوں گے جو کہ مقصود اعظم ہیں میرے جیسا ناکارہ و نالائق ، نامراد ، سگ دنیا ، بندۂ شکم ، بدنام کنندہ نکو نام سے اگر آپ بیعت ہو گئے تو اگرچہ میرا فائدہ ہی فائدہ ہے مگر آپ کی راہ ماری گئی آپ کے لیے ہر طرح سے نقصان ہی نقصان کا سامنا ہے اس لیے میں آپ کے فائدہ کے لیے کہتا ہوں کہ آپ کسی متدین واقف شریعت وطریقت کامل بزرگ کو تلاش کریں اور اس سے بیعت ہوں آپ کہتے ہیں کہ میں نے سب کو دیکھ لیا ہے کسی سے میری طبیعت بیعت ہونے کو نہیں چاہتی ہے تو میرے محترم ! آپ نے جن کو دیکھا جن کی جانچ پڑتال کی ، جن سے آپ کی خط وکتابت ہوئی انہیں میں تو خداوند کریم کے مقرب بندے منحصر نہیں ہیں آپ تلاش کرتے رہیں ممکن ہے کہ کوئی مرد خدا مل جائے " اولیائی تحت قبائی لایعرفہم غیری" مشہور مقولہ ہے ممکن ہے کہ آپ کی پرکھ غلط ہو پھر یہ عجیب بات آپ نے کہی کہ کسی سے بیعت ہونے کی طبیعت نہیں ہوئی تو اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ کی طبیعت پر مدار ہے جس کو آپ کی طبیعت بزرگ مانے وہ بزرگ ہے اور جس کو نہ مانے وہ بزرگ نہیں " (مکتوب ج ۴ ص ۵۱،۵۰)

اس لیے حضرت نور اللہ مرقدہ ہمیشہ کسی کو حلقہ ارادت میں لینے سے اجتناب فرمایا کرتے تھے مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم نے جب اپنے ملحدانہ عقائد سے توبہ کی اور بیعت کے لیے مولانا عبد الباری کو سفارشی بنا کر دیوبند حاضر ہوئے تو حضرت نے انکار فرما کر ان کو بہ نفس نفیس تھانہ بھون حضرت تھانوی کے حضور پیش فرمایا۔ حضرت تھانوی کی سفارش پر ان کو بیعت تو فرمالیا مگر تربیت کے لیے حضرت تھانوی کی طرف رجوع کا حکم فرمایا (جس کی ساری سرگزشت مولانا دریابادی کی مرتبہ کتاب نقوش وتاثرات میں مذکور ہے) البتہ ایک طریقہ ایسا تھا جس کی

روشنی ہیں حضرت انکار نہ فرما سکتے تھے اور وہ خود اس گناہ گار کا تجربہ شدہ ہے جس کی مختصر سی کیفیت یہ ہے کہ مظاہر علوم
سہارنپور کے زمانہ تعلیم میں تقریباً ہر جمعرات کو بعد از عصر حضرت کی زیارت یوں ہو جایا کرتی تھی کہ :

حضرت کانگریس یا جمعیۃ العلماء کی دعوت پر سہارنپور تشریف لاتے اور فرودگاہ میں تقریر فرماتے اسی وقت
سے آئینہ دل میں حضرت کا نقش اس طرح ثبت ہو گیا کہ آج تک باقی ہے اور انشاء اللہ باقی رہے گا۔ مگر زیادہ قرب
دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کے داخلہ پر نصیب ہوا ہر ہفتہ کئی بار گھنٹوں زیارت کا شرف مل جاتا دارالحدیث
سے لے کر خانقاہ مدنی تک اور پھر خصوصاً نماز مغرب میں جو حضرت خانقاہ سے متصل چھوٹی مسجد میں ادا فرماتے اور
نماز مغرب کے بعد سوا پارہ نوافل میں دو حافظوں کو سناتے، اسی طرح نماز فجر اکثر اسی مسجد میں حضرت کی اقتدا میں
پڑھنے کی سعادت ملی۔ حضرت نماز فجر میں قنوت نازلہ باقاعدہ پڑھا کرتے تھے، غرضیکہ یہ سعادت کثرت سے حاصل
رہی اگرچہ بیعت کا مفہوم معلوم نہ تھا نہ یہ گناہ گار اس قابل تھا مگر تعلق کا ایک ذریعہ بنانے کے لیے کئی بار درخواست
کی مگر یہی جواب ملا کہ استخارہ کر لیا جائے اس کا جواب کبھی تو گستاخانہ طریقہ پر دیا جاتا کہ عبادت میں استخارہ کا حکم نہیں
اور کبھی کسی اور طریقہ سے مگر ادھر سے اسی پر اصرار رہا آخر فراغت پر گھر آیا تو ایک رات خواب میں سید دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت کا حکم ملا۔ وہ پوری خواب لکھ کر ارسال کر دی تو جواب فرمایا ملاقات پر
انشاء اللہ بیعت کر لی جائے گی آخر وہ سعادت آفریں گھڑی آ گئی کہ مورخہ ۲۶ شعبان ۵۵ھ/ ۱۳ نومبر ۳۶ء
بروز جمعرات کو نماز مغرب کے بعد اسی مسجد میں چند دیگر سعادت مندوں کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل ہو گیا،
اس مختصر مگر جامع داستان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہونا بہت مشکل تھا۔

بیعت کے بعد رات کو خانقاہ کے بغلی والے چھوٹے سے کمرے میں سونے کا حکم دیا کہ یہاں شیخ الہندؒ آرام
فرمایا کرتے تھے پھر تسبیح ۱۰۰ بار، استغفار ۱۰۰، درود شریف ۱۰۰، صبح و شام پاس انفاس ایک گھنٹہ کرنے کا
حکم فرمایا۔ ۲۰ رجب ۵۶ھ کو دوبارہ حاضری پر مندرجہ اسباق ارشاد فرماتے۔

نماز تہجد کے بعد فاتحہ ۳ بار درود شریف ۳ بار سورہ اخلاص ۱۲ بار درود شریف ۳ بار پڑھ کر یہ دعا
کی جائے اللھم بلغ ثواب ما تلوتہ لمشائخ ھذہ الطریقۃ وافض علیّ من فیوضاتھم
وبرکاتھم آمین پھر ذکر یوں کیا جائے۔

لا الہ الا اللہ ۲۰۰ بار الا اللہ ۴۰۰ بار اللہُ اللہُ ۶۰۰ بار، اللہ ایک سو بار۔ ذکر قلبی ۲۰۰۰ بار
یہ ذکر کافی زمانہ ہوتا رہا اور پاس انفاس بھی ہوتا رہا کیفیات وقتاً فوقتاً بذریعہ عریضہ اور کبھی زبانی عرض کرتا رہا حتیٰ کہ
الہ آباد جیل سے مورخہ ۹ ربیع الاول ۶۳ھ کو گرامی نامہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ :
اب اسم سے مسمّیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور وہ مراقبہ معیت ہے جس میں وھو معکم کا استحضار کیا جائے

جس کی تشریح مکتوبات شریفہ ہے۔ حضرت نے اس گناہ گار پر بہت زیادہ توجہ فرمائی اور اس توجہ کے بہت زیادہ آثار محسوس ہوئے ایک دفعہ سحری کے مراقبہ میں یوں القا ہوا بلکہ ندا آئی کہ تو ابوالمعالی ہے مگر افسوس کہ اپنی بداعمالی کی وجہ سے کچھ بھی باقی نہ رہا جس طرح عمر عزیز کافی گذر گئی اس کے ساتھ ساتھ وہ سب برکات بھی ختم ہو گئیں صرف ایک برکت باقی ہے کہ حضرت نوراللہ مرقدہ کے ساتھ محبت میں ذرا بھی کمی نہیں ہوتی۔ الحمدللہ حسب ارشاد گرامی سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم المرء من احبّ نجات کی امید ہے۔

حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے ختم ہفت سلاطین اور حزب البحر کی اجازت سے نوازا ختم ہفت سلاطین تو آج تک جاری ہے جس کی برکات کا نزول ہو رہا ہے حزب البحر چند سالوں کے بعد چھوڑ دی تھی اور حضرت نوراللہ مرقدہ کی یہی مرضی معلوم ہوتی تھی۔

بیعت کے دوسرے دن صبح ناشتہ کے بعد اپنا مستعمل عبا عنایت فرمایا جو اب تک میرے لیے باعث سعادت و برکت ہے اور خواہش ہے کہ میرے کفن میں بھی اسی سے سعادت حاصل کی جائے جیسا کہ:-

"ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ نیا کرتہ طلب کر لیا تھا جو آپ کی خدمت میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہم نے پیش کیا تھا چند صحابہ کرام کے اس جرأت پر استفسار کے جواب میں اس صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اس مبارک کرتہ کو اپنا کفن بنانے کے لیے یہ جرأت کی ہے چنانچہ وہ کرتہ اس صحابی رضی اللہ عنہ کا کفن بنا۔" (مشکوٰۃ)

اس گناہ گار نے بھی اسی سعادت کے حصول کے لیے یہ جرات کی تھی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

روحانی برکات کا ظہور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک و معرفت کی تمام مروجہ منازل بے نظیر طریقہ پر طے فرمائیں مدینہ منورہ، مالٹا اور پھر برصغیر میں آپ نے احسان و شہود کا قرب حاصل فرمایا مگر ان برکات کا عملی ظہور آپ کے قیام بنگال سے زیادہ شروع ہوا جہاں آپ بظاہر تو شیخ الحدیث؛ صدر مدرس کے رہے مگر درحقیقت آپ کی روحانی برکات کا انکشاف اور ظہور وہیں سے ہوا یہی وجہ ہے کہ آپ کی طرف سے مجاز طریقت و بیعت سعادت مندوں کی تعداد ۹۲ ہے جبکہ کل مجازین کی تعداد ۱۶۷ ہے۔ دارالعلوم دیوبند تشریف لانے کے بعد اگرچہ تدریس اور سیاسیات میں بے پناہ مصروفیت رہی مگر طالبان سلوک بھی کشاں کشاں حاضر خدمت ہوتے رہے خانقاہ مدنی میں علمی اور سیاسی بحث کم ہوتی مگر روحانی تجلیات زیادہ ہوتی تھیں سفر میں جہاں آپ رونق افروز ہوتے خواہ وہ سفر سیاست کے نام سے ہوتا مگر وہاں بھی تشنگان آب حیات جوق در جوق پہنچ جاتے چونکہ آپ مقام عبدیت پر فائز تھے اس لیے آپ نے

"رو رو کر دعائیں کیں کہ ہجوم خلق کو ہٹا دیا جائے۔" (مکتوبات ج ۲ صفحہ ۱۶)

دراصل حضرت نور اللہ مرقدہ کی یہ کیفیت بھی سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اثر تھی جو آپ نے تعلیماً امت فرمایا۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرًا وفی اعین الناس کبیرًا اور یہ آپ کی صداقت للھیت کی دلیل تھی کہ طالبان سلوک کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا جیسا کہ

"ہرقل نے ابوسفیان سے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں جو چند سوالات کئے تھے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کیا اس نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں ابوسفیان نے بتایا کہ دن بدن بڑھ رہے ہیں تو ہرقل نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کیفیت کو آپ کی صداقت کی دلیل قرار دیا۔" (صلی اللہ علیہ وسلم)

ظاہر ہے کہ غزوہ بدر میں صحابہ کرام کی تعداد ۳۱۳ اور بقول شاذ ۳۱۴ تھی اور پہلی مردم شماری حسب روایت بخاری چھ سو تھی حدیبیہ کے وقت چودہ سو سال تھی فتح مکہ کے دن دس ہزار اور غزوہ حنین میں بارہ ہزار سعادت مند تھے جبکہ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی اور آج روئے زمین پر ایک عرب سے زیادہ مسلمان ہیں جو کہ وللاخرۃ خیر لک من الاولی کا مظہر ہے اور یدخلون فی دین اللہ افواجًا کا لافانی ثبوت ہیں۔

حضرت کے پروانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی رہی حتیٰ کہ بنگال کے سفر میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ایک بڑے مجمع کو شرف بیعت بخشتے ہوں کلمات بیعت کہلوائے گئے بلا شبہ اس وقت عرب و عجم میں آپ کے غلاموں کی تعداد کئی لاکھ ہے جہاں حضرت نور اللہ مرقدہ کے خلفاء اصطلاحی اور بصری زیارت سے محروم عشاق کو آپ کے فیوضات اور برکات سے مالا مال فرما رہے ہیں۔ بارک اللہ فی مساعیھم وکثر اللہ امثالھم۔ آمین

محمد اسلم رانا ایڈیٹر ماہنامہ "المذاہب" ملک پارک شاہدرہ لاہور

سندھی اخبار "عبرت" کی

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی

ان دنوں سندھ میں بہتیرے ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہوار سندھی رسائل وجرائد چھپتے ہیں جن کا مقصد وحید (الاماشاء اللہ) اسلام اور پاکستان سے دشمنی، سندھی ازم اور سندھی قومیت کی تبلیغ واشاعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ روزانہ چھپنے والے اخبارات بے دین اور ملحد حلقوں کے قبضہ میں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اسلام، پاکستان یا مسلمانوں کے مفادات کی بات کرنا چاہے بھی تو مالی وسائل پر مبنی گھمبیر مسائل اس کا راستہ روکتے ہیں۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ سندھی اخبارات میں مذہبی اور سیاسی لحاظ سے جو کچھ کوئی چاہے چھاپے علاقائی وقومی پریس اور صوبائی یا مرکزی سطح پر اسے کسی محاسبہ یا گرفت وسزا کا کوئی خوف نہیں ہے۔ چنانچہ حیدرآباد سے چھپنے والے کثیر الاشاعت سندھی روزنامہ "عبرت" کی طرف سے کمال درجہ کی دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔

روزنامہ "عبرت" ۱۳ جنوری ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں ایک مضمون بعنوان "استاد بخاری کے ساتھ منائی گئی شام اور محفل موسیقی" میں استاد بخاری کا ایک شعر نقل کیا گیا تھا جس کا ترجمہ یوں ہے!

"ہم نے جینے کی جنگ شروع کر رکھی ہے مخالف ہو کر اگر ملک الموت بھی آیا تو مر جائے گا

ہم سندھیوں کی آزادی چھینتے اگر خدا بھی جابر بن کر آیا، تو مر جائے گا۔"

ایک اسلام دشمن و دہریہ اہل قلم یوسف سندھی محکمہ تعلیم میں ملازمت کے ساتھ ساتھ روزنامہ "عبرت" میں ہفتہ وار کالم بھی لکھتا ہے۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں اس کالم نگار نے اللہ پاک کی شان میں حد درجہ ہرزہ سرائی کی اسلام و پاکستان دشمن اور کفریہ و دہریہ کلمات پر نوشتہ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

" ہفتہ وار کالم... ڈائیلاگ + کہانی.... خبروں کی تشریح نرسیماراؤ بابری مسجد تعمیر کرا کر

پھر ڈھاکہ آئیں گے (ایک خبر)"

اس خبر کی تشریح یوں ہے - ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت نفرت کا ایک سیلاب اٹھا تھا جس نے برصغیر کا جغرافیہ بدل ڈالا۔ اور ہندوستان سے سب پاک آدمی ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے اور سب پلید ہندوستان میں رہ گئے۔ اور ان پلیدوں نے پوری نصف صدی رام جنم بھومی کی ازسر نو تعمیر کرنے کے لیے تحریک چلائی اور بالآخر عزت مآب کلیان سنگھ نے یوپی کے وزیر اعلیٰ کی مدد سے کامیابی حاصل کی جیسے ہمارے ہاں عزت مآب غوث علی شاہ کی مدد سے ایم کیو ایم نے جنم لیا۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ بابری مسجد کی شہادت سے یہ پورا قصہ تمام ہوا۔ اب دونوں طرف سے مندروں اور مسجدوں میں فصل کی کٹائی شروع ہو چکی ہے۔ اور خدا پریشان ہو گیا ہے۔ لوگوں نے جنون میں آ کر خدا کو اس کے گھروں سے نکال باہر کیا ہے۔ اور ساتھ ہی حیدر آباد کے اسلام پسندوں نے غم والم کے سبب صدر کے علاقہ سے شراب کی دکانیں اکھاڑ کر اسلام کے لٹنے کا درد ہلکا کرنے کے لیے اپنے ساتھ حیدر آباد کے کنوؤں کو بھی شراب پلا کر بے حال کر دیا ہے۔ کیونکہ شیدائیان اسلام بابری مسجد کی شہادت کے سبب سے کسی بھی جاندار کو غم میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ یہی سبب ہے کہ شیدائیان اسلام نے نرسیما راؤ کو ڈانٹ پلائی ہے کہ وہ پہلے بے گھر خدا کو اس کا گھر بنا کر دے۔ پھر ڈھاکہ آئے۔

اور ہاں! اگر تمہیں بے گھر خدا کہیں نظر آ جائے تو اسے علی الاظہار کی یہ نثری نظم ضرور سنا دینا۔ اس وقت اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر مشورہ اور کونسا ہو سکتا ہے۔

اے خدا۔

"مسجدیں اور مندر ڈھائے جا رہے ہیں۔ اب بھی تیرے لیے کوئی جگہ ہے۔ تو ٹھیک ہے گزارہ کر لے۔ مگر جب بالکل بے سہارا ہو جاؤ۔ تو قاسم آباد میں سندھیوں کے کیمپوں میں چلے آنا۔"

یہ دلخراش و جگر پاش مضمون روزنامہ "عبرت" کے شام کو چھپنے والے "اخبار سندھو" ۱۵ دسمبر ۹۲ء میں بھی چھاپا گیا تھا!

کتنے دکھ کی بات ہے کہ المیہ بابری مسجد کے ضمن میں ہندوؤں نے بھارت میں ۱۵ ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ ہزارہا زخمی اور عمر بھر کے لیے معذور ہوئے۔ مسلمانوں کی کروڑہا روپوں کی املاک نذر آتش کر دی گئیں۔ عفت مآب مسلم خواتین کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ لاکھوں مسلمان بے گھر ہوئے۔

ادھر اسلامی پاکستان میں اس المیہ در المیہ کے نام پر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا علی الاعلان

مذاق اڑایا جا رہا ہے! توبہ! توبہ! الحذر والامان!!

اس مضمون کی اشاعت پر اسلامی حلقے چراغ پا ہیں۔ اور مجسم احتجاج بنے ہوئے ہیں۔ صدر مملکت، وزیر اعظم پاکستان، چیف آف آرمی سٹاف، چیف جسٹس، وزارت اطلاعات اور وزارت داخلہ کو بیسیوں ٹیلیگرام دیئے جا چکے ہیں۔ جلسوں اور پریس کانفرنسوں کے ذریعے اس سانحہ کو پریس قوم اور حکومت کے نوٹس میں لانا بھی بے سود ثابت ہوا ہے۔ قومی اخبارات اور سندھی پریس نے اس المیہ پر چپ سادھ رکھی ہے جس سے نام نہاد "ترقی پسند"، ملحد اور اسلام و پاکستان دشمن عناصر کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔

کچھ دردمند مسلمانوں کے مقدمہ درج کرانے پر سپیشل جج تھرپارکر نے قرار دیا کہ یہ کیس تعزیرات پاکستان کی دفعات اے۔۲۹۵ اور سی۔۲۹۵ کے تحت جرم ہے اور مبلغ پچاس ہزار روپوں کی رقم پر ملزم کے قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کرنے کا حکم دیا، تاہم ملزم آج تک آزاد ہے، بدستور دندناتا اور اہل اسلام کی چھاتی پر مونگ دلتا پھرتا ہے۔

امید واثق ہے کہ متعلقہ حکام مجرم کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچا کر مسلمانوں کے مجروح دلوں پر مرہم رکھیں گے۔

تبسم منہاس شعبہ عربی
پنجاب یونیورسٹی

خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ اور انکا علمی مقام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے استفادہ کرنے والے صحابہ کرامؓ آپ ہی کی صفات کا مظہر تھے ، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ اپنے عہد کے مشہور جرنیل ثابت ہوئے ، بعض سیاسی قائد بنے ، بعض نے علمی اور فکری دنیا میں اپنا مقام پیدا کیا جبکہ بعض صحابہؓ بیک وقت سپہ سالار بھی تھے ، حکمران اور سیاسی قائد بھی ، محدث بھی تھے اور فقیہ و قاضی بھی ، حضرت عثمانؓ کا شمار ایسے ہی صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جنہوں نے کم و بیش ۲۲ سالہ دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر فیض تربیت حاصل کیا ، وہ ہر قسم کے علوم و معارف کا خزینہ تھے اور ان کی ذات آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوئی ۔

امام الذہبیؒ نے حضرت عثمانؓ کے متعلق لکھا ہے ۔ [illegible] تھے آپ

کان ممن جمع بین العلم والعمل ۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو علم و عمل کا مجموعہ تھے ۔ آپ کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں سے ہوتا ہے جو دور جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے ، اسی لیے قبول اسلام کے بعد ایک عرصے تک وحی کی "تحریر و کتابت" کی ذمہ داری آپ سے متعلق رہی ۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کی تحریر خوبصورت اور دلکش ہوتی تھی ۔ آپ کی دستِ تحریر کے نمونے تاریخی کتابوں میں دستیاب ہیں ' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے قرآن مجید کا ایک مکمل نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھا تھا ۔ [illegible] قرآن حکیم [illegible] آپ کی یادگار رہے گا ۔

آپ کا ایک روشن کارنامہ "جمع و تدوین قرآن حکیم " ہے جو رہتی دنیا تک آپ کی یادگار رہے گا ۔ عہد نبوی سے لوگ اپنے اپنے طور پر قرآن مجید کی کتابت کر رہے تھے ۔ حضرت عثمانؓ تک آتے آتے اس میں اتنا غلو پیدا ہوا کہ ایک دوسرے سے واضح اختلافات پیدا ہونے لگے ۔ یہ حالات دیکھتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں مرتب کیے جانے والے نسخے کی نقول تیار کر کے تمام صوبوں کو ارسال فرمائیں اور حکم دیا کہ آئندہ قرآن مجید کی کتابت انہی نسخوں کے مطابق کی جائے اور ان کے سوا جو نسخے ہیں انہیں نذر آتش کر دیا جائے ۔ آج تک حضرت عثمانؓ کے مرتب کردہ نسخوں کے مطابق قرآن مجید کی کتابت کی جا رہی ہے اور اسی کو "عثمانی رسم الخط" کہا جاتا ہے ۔ [illegible] آپ کو "کلام اللہ" سے خاص شغف تھا اسی لیے آپ نے پورے قرآن مجید کی تعلیم ' خود نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم سے حاصل کی تھی ۔ مؤرخ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر لیا کرتے تھے ۔ الفاظ قرآنی کے ساتھ آپ علوم قرآن پر بھی عبور رکھتے تھے ۔

حضرت عثمانؓ احادیث نبویہ کے بھی ممتاز حفاظ میں سے تھے ' ہر موضوع پر انہیں بیشمار احادیث ازبر تھیں ' مگر اس خیال سے کہ دوسرے صحابہؓ ان کی بہ نسبت حدیث کے الفاظ کو بہتر طور پر بیان کر سکتے ہیں ۔ انہوں نے خود بہت کم احادیث بیان فرمائی ہیں چنانچہ ان کی کل مرفوع روایات کے تعداد ۱۴۶ ہے ۔ جن میں سے تین متفق علیہ میں اور صرف بخاری میں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں ۔ اس طرح صحیحین میں کل روایات کی تعداد ۱۶ ہے ۔ احادیث کم روایت کرنے کی بڑی وجہ جو انہوں نے خود بیان فرمائی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے :

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے سے یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ شاید دیگر صحابہؓ کے مقابلہ میں میرا حافظہ زیادہ قوی نہ ہو لیکن میں گواہی دیتا کہ میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف وہ بات منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہی ہے ' وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے ۔ " فقہ " اور دوسرے علوم اسلامیہ میں حضرت عثمانؓ کا پایہ دوسرے خلفائے راشدین کے مقابلے میں کسی طرح کم نہ تھا ۔ آپ کا شمار ایسے مجتہد صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے ' جن کے اجتہاد کو " عہد صحابہ " میں مستند سمجھا جاتا تھا اور ان کے اقوال کو پذیرائی اور قبول عام حاصل ہوتا تھا ۔ چنانچہ فقہی کتابوں میں آپ کے اجتہاد کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں ۔ علم فرائض ' یعنی وراثت کی تقسیم کے احکام میں آپ صحابہ کرام میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے ۔ عہد صحابہ میں اس علم کے دو بڑے " ماہر " مانے جاتے تھے ۔ ایک آپ تھے ' اور دوسرے حضرت زید بن ثابت ۔ رضی اللہ عنہم ۔ انہی دو بزرگون نے اس علم کو مرتب فرمایا ۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کا حل یہی دو بزرگ کیا کرتے تھے ۔ کنز العمال میں ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کا خیال تھا کہ ان حضرات کے انتقال کے بعد یہ علم دنیا سے اٹھ جائیگا

آپ کے اسی علمی اور فکری مرتبے کی بنا پر دونوں ابتدائی خلفا نے آپ کو اپنا مقرب اور اپنا " مشیر " بنائے رکھا ۔ مشکلات میں یہ دونوں بزرگ آپ سے مشورہ لیتے تھے ۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں انہوں نے ایک " مجلس شوریٰ " قائم فرمائی تھی جس میں تمام اہم امور زیر بحث آتے تھے اور " فیصلہ " کیا جاتا تھا ۔ اس مجلس میں خصوصی طور پر آپ شامل تھے ۔

اس مجلس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے انتظامی معاملات میں مشاورت کے لیے مہاجرین کی ایک مجلس قائم کی ہوئی تھی ' حضرت عثمانؓ اس کے بھی رکن تھے ۔ اسی طرح اس عہد میں صرف چند صحابہ کرام کو " فتویٰ " دینے کی اجازت تھی ۔ ان میں بھی حضرت عثمانؓ کا نام نامی نمایاں طور پر شامل ہے

حضرت عثمانؓ کے اسی " فضل وکمال " کی بنا پر حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی وفات کا یقین ہو جانے کے بعد ' خلیفہ کے انتخاب کے لیے جو چھ رکنی "کمیٹی " تشکیل دی تھی ' اس نے متفقہ طور پر حضرت عثمانؓ کو منصب خلافت کے لیے نامزد کیا اور تمام صحابہ کرام نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کی ۔ اس موقع پر ان کا انتخاب ان کے خصوصی " فضل وکمال " کا مظہر ہے ۔

حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت تقریبا بارہ سالوں پر محیط ہے ۔ اس عرصے میں بیشمار مسائل پیدا ہوئے ۔ بہت سی نئی نئی باتیں سامنے آئیں ۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے ان تمام مسائل ومعاملات کو جس تدبیر' فراست اور مجتہدانہ بصیرت سے حل فرمایا وہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے ۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ " سیدنا عثمانؓ " کو علوم اسلامیہ میں خصوصی حصہ عطا ہوا تھا ۔

بطور نمونہ حضرت عثمان کے " اجتہاد " کی چند مثالیں پیش کرنا مناسب ہوگا روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم " مسجد نبوی " کے تیسرے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے ' حضرت ابوبکرؓ نے دوسرے زینے پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا اور حضرت عمر فاروقؓ نے ہمیشہ فرط تواضع سے پہلے زینے پر بیٹھ کر مسلمانوں سے خطاب فرمایا ۔ حضرت عثمان کا " دور " ایا تو آپ کے لیے مزید نیچے اترنے کی گنجائش باقی نہ رہی ' تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے دوسرے زینے پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا ۔ ان کے اس اجتہادؓ پر ابھی تک تمام اسلامی دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

(۲) مسجد نبوی میں عہد نبوی اور دونوں ابتدائی خلفاء کے زمانے میں رات کو چراغ روشن نہ کیا جاتا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانے میں پہلی مرتبہ مسجد نبوی میں رات کے وقت چراغ روشن کیا ' اس سنت عثمانی پر بھی ساری دنیائے اسلام میں عمل جاری ہے ۔

(۳) مسجدوں میں ' عہد عثمانی سے قبل محراب نہیں ہوتا تھا ' جس کی بنا پر منبر اور امام کے قیام کے لیے ایک پوری صف معروف ہو جاتی تھی ' حضرت عثمانؓ نے پہلی مرتبہ مسجد میں " محراب " بنوانے کا سلسلہ شروع فرمایا جو اب ہی تک جاری و ساری ہے

(۴) جمعۃ المبارک کے لیے ' اس سے قبل ایک ہی اذان ہوتی تھی ' لیکن اب لوگوں کی کاروباری مصروفیات بڑھ گئی تھیں ' اس لیے ضرورت تھی کہ لوگوں کو نماز جمعہ کے لیے پہلے سے باخبر کر دیا جاۓ اس مقصد کے لیے جمعہ کے لیے پہلی اذان کا سلسلہ آپ نے شروع فرمایا ۔ اور یہ سنت بھی آج تک ساری دنیائے اسلام میں زیر عمل ہے ۔

(۵) مروی ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق مکہ مکرمہ گئے وہاں انہوں نے صحن حرم میں ایک سوئے ہوئے شخص پر چادر ڈال دی اس چادر پر ایک کبوتر آکر بیٹھ گیا '

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

ٹائمز آف لندن کا فکر انگیز تجزیہ

برطانیہ کی سلطنت پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ جنگ عظیم دوم نے اس عظیم طاقت کا بوریا بستر گول کر دیا اور اسے "سونے کی چڑیا" ہندوستان سے اپنا بستر بوریا سمیٹنے ہی بنی۔ ہندوؤں کا دعویٰ تھا کہ سارے ہندوستان کے باسی اپنے وطن ہندوستان کی بنا پر ایک قوم ہیں اور کانگریس ان کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا انگریزوں کو چاہیئے کہ ہندوستان سے جاتے وقت ملک کا اقتدار کانگریس کے سپرد کر جائیں۔ جبکہ مسلمانوں کا کہنا تھا کہ ہمارے ہاں قومیت کی بنیاد وطن نہیں ہے۔ ہم مسلم قومیت کے علمبردار ہیں اور مسلم قومیت کی بنا پر تمام مسلمان ہندوؤں سے جدا اور الگ قوم ہیں، مسلم لیگ ان کی نمائندہ جماعت ہے، اس لیے مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کی حکومت مسلم لیگ کے حوالے کی جانی چاہیئے۔ ہندوؤں اور انگریزوں کو مسلمانوں کا ایمان و اسلام پر مبنی یہ مضبوط موقف تسلیم کرتے ہی بنی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ہندوؤں سے الگ وطن پاکستان، معرض وجود میں آگیا۔

بصد افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد مسلم قومیت کی حفاظت، ترقی و ترویج اور سلامتی کا کوئی اہتمام نہ کیا گیا۔ اور اس کی بنیاد اسلام سے بوجہ اتم غفلت اور شدید لاپرواہی برتی گئی۔ عالمی پایہ کے اہل دانش غیر پاکستان کے مشرقی اور مغربی بازوؤں کے نسلی، لسانی اور ثقافتی اختلافات کا ذکر کر کے کہا بھی کہ فقط اسلام کا رشتہ ہی انہیں اکٹھا رکھے ہوئے ہے لیکن مفاد پرست اصحاب اقتدار اور جاہ و حشمت کے بھوکے سیاستدانوں نے اس عظیم حقیقت سے چشم پوشی برتی۔ نتیجتاً ہندو دشمنوں کی انگیخت پر صوبائیت پر پرزے نکالے اور علاقائی تعصبات پر مبنی لسانی، ثقافتی، تہذیبی، تمدنی، نسلی اور معیشی مفادات کی طوفانی لہریں اٹھنے لگیں جو پاکستان کی خشت اول، مسلم قومیت، کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئیں اور قیام پاکستان کے فقط ۲۴ برس بعد مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں تبدیل ہو گیا۔

ہندوؤں کی بے حد و حساب دشمنی اور ان کے مظالم تلے پسنے کچلنے اور کٹنے والے مسلمانوں کے لیے تو پاکستان خوابوں کی سرزمین تھا ہی جبکہ پاکستان کے مستقبل سے متعلق بڑی پر امید تھی کہ مسلمانوں کے پاس

اپنے ملک کی ایک نہایت مضبوط بنیاد، اسلام انہیں موتیوں کی طرح ایک قابل رشک لڑی میں پروتے ہوتے ہیں
لیکن جیسا بیان کیا جاچکا ہے پاکستان دولخت ہوگیا مفکرین عالم کی حسین آرزوؤں کا بلند و بالا محل دھڑام سے زمین
پر آرہا۔ باقیماندہ ملک میں خلاف پاکستان نظریات روز بروز پنپ اور مضبوط ہو رہے ہیں جن کے سدّباب میں
کچھ نہیں کیا جا رہا سقوط مشرقی پاکستان سے سبق سیکھنے کی بجائے رہے سہے پاکستان کو زبانوں پر مبنی صوبوں میں
تقسیم کرنے کا مشورہ پیش کیا جاچکا ہے جس میں ایک صوبہ فقط دو اضلاع پر مشتمل ہوگا۔

پاکستان کے ۳۱ ویں یوم استقلال پر لندن کے ایک قدیم اور بااثر اخبار "ٹائمز" کے موجودہ ایڈیٹر نے
ایک اداریہ لکھا اور اس میں ۳۰ سال قبل کا حوالہ دیا جب ۱۴ اگست ۴۷ء کو ہندوستان تقسیم ہوا اور دو آزاد ممالک
پاکستان اور بھارت وجود میں آئے تو اخبار کے اس وقت کے ایڈیٹر نے اس تاریخی واقعہ پر ایک اداراتی نوٹ
تحریر کیا تھا جس میں ان دو نوزائیدہ ملکوں کے مستقبل سے متعلق اپنا تاثر بیان کیا تھا کہ آج دنیا میں جو دو ممالک
وجود میں آئے ہیں ان میں سے ایک کا مستقبل بہت روشن ہے جبکہ دوسرے کا بہت تاریک۔

پاکستان کا مستقبل بہت روشن ہے اس لیے کہ یہ ایک قوم کا ملک ہے جسے متحد رکھنے والی ایک بہت بڑی
طاقت، مذہب کی طاقت موجود ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کی یکجہتی اور ان کا اتحاد مثالی ہے۔ ان کے ہاں نسلی
امتیازات اور علاقائی تعصبات مفقود ہیں مذہب کا توانا و مضبوط رشتہ انہیں یک جان رکھے ہوئے ہے۔

جب کہ بھارت کا مستقبل بڑا تاریک ہے کیونکہ اس ملک کو مجتمع رکھنے والی کوئی قوت موجود نہیں ہے۔
اس کے باشندے بہت سے مذہبوں، بے شمار نسلوں، سینکڑوں زبانوں اور ثقافتوں اور ان گنت تمدنوں میں
منتشر ہیں۔ ان کے معیشتی مفادات بھی باہم متضاد ہیں۔ ان سب کے درمیان کوئی ایک بھی قدر مشترک نہیں۔

"ٹائمز" کے موجودہ ایڈیٹر نے اپنے پیشرو کا یہ قیاس نقل کرنے کے بعد لکھا کہ اس وقت صورت حال
اس کے قطعی برعکس ہے۔ بھارت ایک بہت بڑی طاقت بن چکا ہے وہ اپنے علاقہ کی سپر منی پاور ہے دنیا کی
سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ اس کا ایک دستور ہے جس کی پٹڑی پر ریاست کی گاڑی رواں دواں ہے۔
ملک مضبوط و متحد ہے۔ بین الاقوامی معاملات میں بھارت کے کردار نے ہندومت کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔

پاکستان کی قومیتی بدحالی ہماری ہڈیوں پر بیت رہی ہے۔ منتشر الخیالی پر اہل نظر آٹھ آٹھ آنسو رو رہے
ہیں۔ اس لیے مذکورہ ایڈیٹر کا بیان نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

ابھی بھی وقت ہے۔ کاش! ہم یہ سمجھ جائیں کہ پاکستان نعمت رب جلیل ہے۔ جو شخص یا پارٹی بھی پاکستان
کو وطنوں، زبانوں، ثقافتوں اور نسلوں میں بانٹنا چاہتی ہو۔ مسلمانوں کے ازلی و ابدی ہندو دشمنوں کی ایجنٹ ہے۔
پاکستان کی دشمن نمبر ایک۔ برصغیر ہندوستان میں اسلام کی بیخ کنی کی علمبردار ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی بقاء و سلامتی

کی حد درجہ مخالف ہے !

جب حوصلے جواں تھے تو منزل نہ مل سکی
منزل ملی تو دل میں کوئی ولولہ نہ تھا

ٹورنٹو کینیڈا سے مکتوب

اس دیارِ غیر میں ہمارا واسطہ ایسے افراد سے رہتا ہے جو ہماری عملی زندگی کو دیکھ کر اسلام کے بارے میں اچھی یا بری رائے قائم کرتے ہیں ظاہر ہے عیسائیوں نے ہمارے دین کی کتابیں تو مطالعہ نہیں کرنیں، اور نہ وہ مساجد یا ISLAMIC CENTERS میں آکر اسلام کے متعلق معلومات حاصل کر سکتے ہیں، ان کے لیے ISLAMIC یا اسلامی معلومات کا عملی ذریعہ صرف ہم لوگ ہیں۔

وہ ہمیں دیکھتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں اور سوچنے کے بعد رائے قائم کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اخلاق اور سیرت میں انہیں خوبیاں نظر آئیں اور قرآن و سنت پر وہ ہمیں عمل پیرا دیکھیں تو ان کا کیا ردِ عمل ہوگا؟ اس کی ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتی ہوں۔

۲۴ مارچ ۱۹۹۳ء کو میں اپنے شوہر کے ہمراہ سامان ضرورت خریدنے کے لیے ٹاؤن گئی بحمد للہ مجھے حجاب (پردہ) کی توفیق میسر ہے، اور میں اس یقین و اعتماد کے ساتھ اسلام کے اس حکم پر عمل کرتی ہوں کہ پردہ ہی عورت کی حیا و عفت کے لیے وہ مضبوط ڈھال ہے، جو خالق کائنات نے ہمارے لیے تجویز کیا ہے۔

ہم مارکیٹ جاتے ہوئے روڈ کے کنارے جا رہے تھے کہ ایک موٹر کار ہمارے پاس آکر رُکی، اس میں موجود ایک تقریباً ۷۰ سالہ گورے نے ہم سے کہا، "میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو راستہ میں روکا" لیکن اس لباس میں دیکھ کر مجھے میرے ضمیر نے مجبور کر دیا کہ میں آپ پر اپنا ردِ عمل ظاہر کر دوں۔

آپ نے حجاب (پردہ) اختیار کر رکھا ہے میں اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوں کیونکہ مادرِ میری (مریم) عذرا کا لباس ہے، اس میں انسانی شرافت و وقار کا مظاہرہ بھی ہے اور عورت کی ناموس و عفت کا تحفظ بھی ہے،

پھر اس نے ہمیں اصرار کر کے موٹر میں بٹھا لیا اور جہاں جہاں ہم نے جانا تھا لیے پھرتا رہا۔

ہمارے دین اور مذہب کے متعلق بھی وہ پوچھتا رہا۔ علماء سے ملاقات کی آرزو کی، شاید اللہ اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کر دے۔

اور ایک جملہ پر بار بار زور دیا کہ "آپ پردہ کی خوبیوں کو CANADIAN WOMEN سے سے پیش کریں۔" میں سوچتی رہ گئی کہ اگر ہم نام کی بجائے کام کے مسلمان بن جائیں تو گفتار کی ضرورت نہیں ارے کردار سے ہی یہاں یورپ کے انسان اسلام کے آبِ حیات سے سیراب ہو جائیں گے۔ اللہ ہمیں

توفیق اور اپنے دین پر اعتماد و عمل نصیب فرمائیے۔

(ڈاکٹر عبدالرشید ٹورنٹو کینیڈا)

دین میں شعبے رفیق ہیں فریق نہیں

دین کے سب شعبے ایک دوسرے کے رفیق ہیں، فریق نہیں، لیکن بعض لوگ کم فہمی کی وجہ سے ایک شعبہ میں کام کرنے والے دیگر حضرات کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض دینی علم حضرات سے علماء اہل سیاست کے بارے میں غیر مناسب الفاظ سنتے میں آئے، اسی طرح بعض تبلیغ والے اہل جہاد کے متعلق صحیح رائے نہیں رکھتے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان سب کا مقام واضح فرمایا ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہے :

(۱) (۵۲۶) جہاد اشاعت اسلام کے لیے مقرر نہیں ہوا بلکہ حکومت اسلام قائم کرنے کے لیے مشروع ہوا۔ (اس کی مدلل تقریر باب دوم نمبر ۲۳ میں ہے) (۵۰۵)

(۲) (۵۰۵) فرمایا کہ اسلام محض اپنی حقانیت سے پھیلا ہے خصوصاً عرب کی قوم جو جنگ جوئی میں شہرۂ آفاق ہیں وہ کبھی اور کسی طرح تلوار کے خوف سے اسلام کو قبول نہ کرسکتی تھی۔ ان کے نزدیک لڑنا مرنا معمولی بات تھی مگر دب کر دین بدلنا سخت عیب تھا۔ وہ ہرگز تلوار کے خوف سے اسلام نہیں لا سکتے تھے۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ پھر جہاد کس لیے مشروع ہوا تو خوب سمجھ لو کہ جہاد حفاظت اسلام کے لیے مشروع ہوا ہے نہ اشاعت اسلام کے لیے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور ان دونوں کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جہاد کی مثال اپریشن جیسی ہے۔ کیونکہ مادے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک متعدی، ایک غیر متعدی۔ جو مادہ غیر متعدی ہوتا ہے اس کو تو محللات اور مرہم کے ذریعے سے دبا دیا جاتا ہے، کوئی مرہم لگا دیا۔ مالش کر دی، جس سے وہ دب گیا اور متعدی مادہ کے لیے اپریشن کیا جاتا ہے اور اس کو چیر کر نکال کر پھینکا جاتا ہے۔ اسی طرح دشمنان اسلام دو طرح کے ہیں بعض تو وہ جن سے صلح کر لینی مناسب ہوتی ہے وہ صلح کر کے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان سے صلح اور مصالحت کر لی جاتی ہے۔ بعض ایسے مفسد اور موذی ہوتے ہیں کہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتے یہ مادہ متعدیہ ہے ان کے واسطے اپریشن کی ضرورت ہے اسی کا نام جہاد ہے۔ لیکن جہاد سے لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود نہیں بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے۔

(۳) (۳۴۴) فرمایا کہ (۱) قتل عورت اور اپاہج اور شیخ فانی اور اندھے کا مع باوجود ان سے بحالت کفر کے جائز نہیں اگر سیف کا وضع علی الاسلام کے لئے ہوتا تو کیا وجہ ان کی حالت پر کیسے چھوڑا جاتا۔

(۲) جزیہ مشروع کیا گیا اگر سیف جبر اسلام کے لئے ہوتی تو یہ جائز تھا کیونکہ جزیہ کیسے مشروع ہوتا۔

(۳) پھر جزیہ بھی سب کفار پر نہیں ہوتا نہ عورت پر نہیں اپاہج اور نابینا پر نہیں رہبان پر نہیں اس سے

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرۂ کتب

مکاتیب سر محمد اقبال بنام سید سلیمان ندوی

مرتب: سید شفقت رضوی صفحات ۴۴۴ قیمت ۶۰ روپے
ناشر: ادارہ تحقیقات افکار و تحریکات ملی، کراچی ۱۴

تاریخ مسلمانان ہند پاکستان میں علامہ اقبال کا فکر اسلامی کے لحاظ سے بہت بلند مقام ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تاریخ علوم اسلامیات میں وہ کسی بڑی شخصیت کے مالک نہ تھے۔ بعض علوم اسلامی مثلاً حدیث، فقہ، اصول، عقائد، تصوف وغیرہم میں انہیں بہت چھوٹی، بنیادی باتیں اور کتب کا علم نہ تھا۔ اسی طرح معتزلہ اور اشاعرہ کے افکار کی جو تاریخ علوم اسلامی کا ایک حصہ ہیں، انہیں کچھ خبر نہ تھی اور انہوں نے ان کے لیے وقت کے علماء سے رجوع کیا ہے یا ان سے ان علوم کے ماخذ دریافت کیے ہیں۔ جیسا کہ ان خطوط کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اس دور کی بہت بڑی انقلابی فکری شخصیت تھے، انہیں نظر انداز کر کے اس دور کے فکر اسلامی کی تاریخ نہیں لکھی جا سکتی۔

علامہ اقبال کے وہ خطوط جو انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھے تھے، علمی اور تاریخی لحاظ سے بہت اہمیت کے حامل تھے۔ یہ خطوط اگرچہ معارف (اعظم گڑھ) اور اقبال نامہ (لاہور) میں چھپ چکے تھے۔ لیکن اب یہ دونوں ماخذ اہل علم اور شائقین کی وسعت میں سے باہر تھے۔ ان پر مفصل حواشی بھی نہ تھے، نہ ان میں رجال مکاتیب کے تراجم شامل تھے اور نہ مکتوب نگار و مکتوب الیہ کے علمی تعلقات و روابط کی تاریخ و تفصیل پر ان سے کوئی روشنی پڑتی تھی۔ اس لیے سابقہ دونوں ماخذ میں ان کی وہ اہمیت نمایاں نہ ہو سکی تھی، جو اس مجموعے میں مفصل حواشی، مترجم مکاتیب رجال اور مقدمہ کے اضافوں کے بعد نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے۔

اس لیے یہ مجموعہ نہ صرف باطن کے حسن اور معنوی اہمیت کے لحاظ سے، نیز ظاہری زیبائش اور ترتیب و تہذیب اور تصحیح متن کے لحاظ سے بالکل ایک انکشاف اور بازیافت کی شکل میں سامنے آیا ہے، اس لیے امید ہے کہ نہ صرف اقبال و سلیمان کے عقیدت کیش اور ارادت مند بلکہ برصغیر پاک و ہند میں تاریخ علوم و معارف اسلامی کے شائقین اور عام اہل علم اور ادب کا ذوق رکھنے والے بھی اس مجموعے کو نظر انداز نہ کر سکیں گے۔

یہ مجموعہ سفید کاغذ پر کمپیوٹر کی خوبصورت کتابت اور رنگین پلاسٹک کوٹڈ مضبوط جلد میں شائع ہوا ہے۔

علامہ اقبال اور مولانا محمد علی

مرتب: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری صفحات ۱۲۸، قیمت ۴۵ روپے
ناشر: شاہد، علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۵۸۰۰۷

علامہ اقبال اور مولانا محمد علی تاریخ اسلامیان ہند کی دو عظیم شخصیتیں تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کے نہایت قدر دان تھے اور دونوں میں سیاسی میدان میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ سوائے اس کے کہ دونوں ملت اسلامیہ کے درد مند اور بہی خواہ اور اپنے اپنے انداز سے دونوں مصروف خدمت ملی تھے، انداز فکر اور راستے دونوں کے الگ الگ تھے۔

۱۹۲۷ء میں علامہ اقبال پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن اور مولانا محمد علی ہمدرد دہلی کے ایڈیٹر تھے۔ دونوں کے ذوق و مشاغل جدا جدا اور ملت کا درد مشترک تھا اقبال نے اپنی ایک دو تقریروں میں محمد علی ہمدرد نے لگاتار پانچ مضمون علامہ اقبال کے خلاف لکھ ڈالے اور علامہ اقبال کی شاعری، ان کے فکر اور ان کی سیرت کے بارے ایسے لولوئے لالہ بکھیرے کہ جو شاید آپ کو کہیں اور نہ ملیں۔ علامہ اقبال کی تعریف بھی بہت ہوئی ہے اور ان کی شاعری اور فن پر تنقید بھی بہت آئی ہیں، لیکن مولانا محمد علی نے اقبال کے شاعرانہ فکر کی عظمت اور سیاسی سیرت کی پستی کی جو تصویر کشی کی ہے۔ وہ مولانا محمد علی کے ان مضامین کے سوا آپ کو شاید کہیں اور نہ ملے ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کی ترتیب و تہذیب نے ان مضامین کو ایک مستقل کتاب کے سانچے میں ڈھال دیا ہے اور ان کے مقدمے نے ان دونوں بزرگوں کے اختلاف و اشتراک کے پہلوؤں اور فکر و سیرت کے خصائص و خصائل کو اور نمایاں اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ ابو سلمان شاہجہان پوری نے رام پور کے کمال اچھے اور سیالکوٹ کے کشمیری نژاد برہمن زادے کی سیرت اور تاریخ اسلامیان پاک و ہند میں دونوں کے مقام کا جو موازنہ کیا ہے، وہ بھی خوب ہے اور اسی میں انہوں نے اپنے ذوق اور پسند کا صاف اظہار کر دیا ہے۔

کتاب پاکستانی کاغذ، معمولی کتابت اور پلاسٹک کوٹڈ جلد میں شائع ہوئی ہے۔

اجارہ کے احکام فتاویٰ عالمگیری مترجم جلد ۳۵

مترجم و شارح: حضرت مولانا محمد صادق مغل۔
صفحات ۱۹۴، قیمت ۱۱۰ روپے

ناشر: معاون ناظم مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ عالمگیریہ (میانہ موہڑوی) اعوان ٹاؤن، تتی آبادی نمبر ۲، گرجا روڈ، راولپنڈی پوسٹ کوڈ نمبر ۴۶۰۰۰

دین اسلام میں جہاں عبادات کی مقدس تعلیمات ہیں وہاں معاملات کے متعلق بھی ایسی اعلیٰ ہدایات ہیں جن کی پیروی میں خالق کی رضا اور مخلوق کی بہبود وابستہ ہے۔ ان ہی روزمرہ کے معاملات کے متعلق ایک مد کتاب الاجارہ ہے یعنی ایسا عقد و معاہدہ جو کسی شئی کے منافع کے عوض پر ہو چنانچہ اس میں اجرت کرایہ اور مزدوری کے متعلق اسلامی احکام ہیں۔

یہ احکام جن کے اصول کتاب وسنت اور آثارِ صحابہؓ میں ہیں۔ اور ان سے ماخوذ ان کی معتمد تفصیلات جو ماہرینِ اسلام فقہاءِ کرامؒ نے مرتب فرمائی ان کا خلاصہ فتاویٰ عالمگیری عربی کی بحث ۳۰ کتاب الاجارہ میں ہے اور ان کا جو اردو ترجمہ، عربی متن سمیت، نمبر وار احکام اور مفید حواشی کے ساتھ پہلی بار شائع ہوا ہے اس میں اجارہ کے مفہوم، شرطیں، قسمیں، اوقات، اجارہِ خدمت، سپردگی اور واپسی، صحیح اور فاسد اجارہ مشترک غیر منقسم شئی کا اجارہ، طاعات، معاصی اور مباح امور کا اجارہ اور آجر ومستاجر پر لازم امور کے متعلق ۲۳ عنوانات ۵۱۲ احکام عربی و اردو میں ہیں۔

کاغذ اعلیٰ سفید، ٹائیٹل دیدہ زیب، جلد خوشنما ہے یہ کتاب علماء و وکلاء، فضلاء و طلباء، عربی دان و اردو خوان سبھی اصحابِ ذوق کے لیے مستند و مفتیٰ بہ اسلامی احکام کے مطالعہ اور حوالہ کا گراں قدر ذخیرہ ہے یہ مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ عالمگیری کی بائیسویں کتاب ہے جس پر یہ ادارہ قابل مبارک باد ہے۔

روزہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے

تالیف مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم، صفحات ۲۷، قیمت ۱۲ روپے
ناشر میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹۔

یہ ایک مختصر کتابچہ ہے، جو درحقیقت شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا ایک اصلاحی خطاب ہے، جو انہوں نے گذشتہ سال رمضان المبارک کے موقع پر جامع مسجد بیت المکرم میں کیا تھا جس میں روزہ کا مقصد، رمضان کا استقبال، رمضان المبارک کی فضیلت اور انسان کی پیدائش کا مقصد، روزہ اور رزق حلال روزہ اور تقویٰ، روزہ اور گناہ وغیرہ مختلف موضوعات پر مفصل وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد ایک مسلمان روزہ کا صحیح حق ادا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح طور پہ روزہ رکھنے اور اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نیک کام میں دیر نہ کیجئے

تالیف: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم، صفحات ۴۸ قیمت ۱۵ روپے
ناشر: میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد۔ کراچی ۱۹۔

آج مادیت پرستی کا دور ہے۔ ہر شخص مادی اشیاء کے جمع کرنے میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن شریعت نے جس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا، یعنی نیک کام۔ اس میں ہم پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس مختصر رسالے میں نیک کاموں کو جلدی کرنے کا ذریعہ نیک کام ہیں، مادی اشیاء کے ذریعہ کبھی سکون حاصل نہیں ہو سکتا، اور پھر نیک کاموں میں جلدی کریں، موت کا انتظار نہ کریں۔ موت کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کب آجائے۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم..

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جُرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مُطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظُلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی بُرائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کُھلم کُھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد آبریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سُرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات الساعۃ)

— منجانب —

داؤد ہرکولیس کیمیکلز لمیٹڈ

REGD. NO. P-90
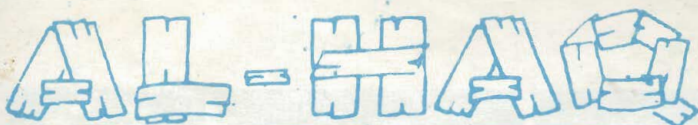
محدّث کبیر قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق بانی و موسس دار العلوم
حقانیہ اکوڑہ خٹک کے علمی و عملی کمالات اور سیرت و سوانح پر مشتمل عظیم تاریخی دستاویز

ماہنامہ الحق کا شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح نمبر

ایک عہد ایک تحریک اور ایک تاریخ

اس نمبر کے لکھنے والوں میں اکابر علماء دیوبند، اساتذہ علم و مشائخ کبار، معروف دینی مجلوں کے مدیر، ہفت روزوں اور اخبارات کے ایڈیٹر اور صحافی ملک و بیرون ملک کے عظیم سکالرز، محقق مصنفین و شیوخ حدیث، متعدد مورخین و ادباء افغان عبوری حکومت کے سربراہ سمیت افغان جہاد کے تمام قائدین محاذ جنگ کے متعدد جرنیل، سابق اور موجودہ حکمرانوں کے اعتراف عظمت پر مبنی تقریریں اور تحریریں سیاست دانوں کا خراج عقیدت اور متعدد زعماء کے مفصل بیانات ـ غرض اپنے موضوع اور جامعیت کے اعتبار سے ایک مثالی شاہکار تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل، بہت جلد ہی منظر عام پر آرہا ہے۔ انشاءاللہ بہترین کتابت، عمدہ طباعت، مضبوط ڈائی دار سنہری جلدیں، ماہنامہ "الحق" کے مستقل قارئین اور نئے بننے والے خریداروں کے لیے ۳۳ ، فی صد کی خصوصی رعایت۔

اصل قیمت ۲۵۰ روپے خصوصی رعایت ۱۷۰ روپے

وی پی نہیں کیا جائے گا۔ پیشگی رقم بھیجنے والوں کو رجسٹرڈ پارسل کے ذریعہ بھیجا جائے گا۔

ماھنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ